دوسری صدی ہجری میں لکھی گئی

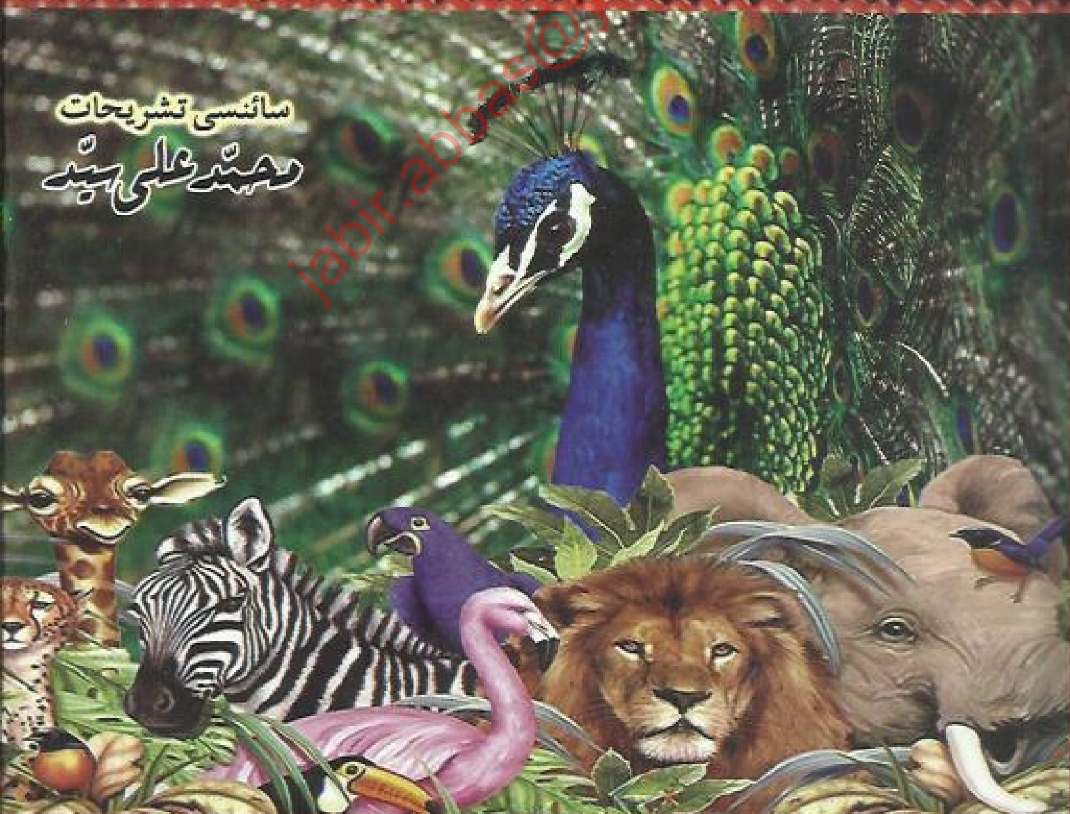
ایک سائنسی کتاب

توحید مفضل

توحید پرستوں کے لیے علم کا لازوال خزانہ

2

موضوع: حیوانات



سائنسی تشریحات

محمد علی سید

یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ھیں

مو منین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ھیں.



منجانب.

سبیلِ سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدرآباد پاکستان





۷۸۶
۱۱۰-۹۲
یا صاحب الزماں ادرکنی

DVD Version

لبیک یا حسینؑ

خصوصی تعاون: نذر عباس
رضوان رضوی

اسلامی کتب (اردو) DVD

ڈیجیٹل اسلامی لائبریری۔

SABIL-E-SAKINA
Unit#8,
Latifabad Hyderabad
Sindh, Pakistan.
www.sabeelesakina.page.tl
sabeelesakina@gmail.com

دوسری صدی ھجری میں لکھی گئی ایک سائنسی کتاب



توحید مفضل

توحید پرستوں کے لیے علم کا لازوال خزانہ

پہلی بار سائنسی تشریحات کے ساتھ

لیکچر: 2

ترجمہ حدیثہ

مولانا سیّد محمد ھارون زنگی پوری صاحب قبلہ

سائنسی تشریحات

محمد علی سیّد

کتاب:	توحید مفضل
جلد:	دوم.....لیکچر:2
ترجمہ حدیث:	مولانا سید محمد ہارون زنگی پوری (مرحوم)
سائنسی تشریحات:	محمد علی سیّد
تعداد اشاعت:	ایک ہزار
سنِ اشاعت:	۲۰۱۲ء
سرورق:	فضہ علی سیّد
زیرِ اہتمام:	اسلام اینڈ سائنس ریسرچ فاؤنڈیشن۔ پاکستان (زہرا اکیڈمی پاکستان کا ذیلی ادارہ)
کمپوزنگ	سسٹم گرافکس
پرنٹر:	شیری پرنٹنگ پریس، کراچی
قیمت:	۲۰۰ روپے

ISBN: 978-969-9738-15-9

شرفِ انتساب

امام جعفرصادق علیہ السلام کے صحابی
شیخ مفضل ابن عمرؓ کے نام۔
جنہوں نے ان علوم کو اپنے آقا و مولا سے براہ راست حاصل کیا،
امام علیہ السلام کی موجودگی و نگرانی میں
اس کلام کو اپنی انگلیوں اور قلم کے ذریعے کاغذ پر منتقل کیا۔
اور اس دور میں جب لوگ پوچھتے ہیں کہ علم لدنی کیا ہوتا ہے؟
اللہ رب علیم و خبیر نے ایسے مواقع پیدا کر دیے کہ
علوم محمدؐ و آل محمدؐ کے ان گراں بہا سچے موتیوں کو
دنیا کے سامنے دوبارہ پیش کرنا آسان ہو گیا۔
جو زمانوں اور زبانوں کے بدلنے سے دنیا کی نظروں سے
اوجھل ہو گئے تھے۔
توحید مفضل کی یہ تین کتابیں، کل کا محض ایک جز اور علم لدنی
کی صرف ایک جھلک ہے
لیکن مشرق سے مغرب تک کے سائنس دانوں کو یہ سمجھانے
کے لیے کافی ہے،
کہ گزشتہ سارے زمانوں میں سائنس نے جو کچھ معلوم کیا،
صاحبانِ ذکر اور والیانِ امر نزول قرآن کے زمانے ہی میں
ان علوم کو بیان کر چکے تھے۔

محمد علی سید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

القرآن

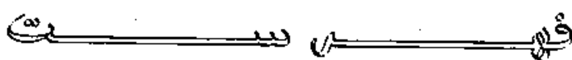
"اللہ ہی نے زمین پر چلنے والے (جان داروں) کو پانی سے پیدا کیا۔ ان میں سے بعض تو پیٹ کے بل چلتے ہیں (رینگنے والے جانور) اور بعض ایسے ہیں جو دو پاؤں پر چلتے ہیں (مثلاً انسان اور پرندے) اور بعض ان میں سے چار پیروں پر چلتے ہیں (یعنی چوپائے)۔ اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے"۔

(سورہ نور: آیت:۴۵)

نہج البلاغہ

اگر تم اس (چیونٹی) کی غذا کی نالیوں، اس کی جسم کے نشیب و فراز اور اس کے خول (Exoskeleton) میں پیٹ کی طرف پسلیوں کے کناروں اور اس کے سر میں موجود (چھوٹی چھوٹی) آنکھوں اور کانوں کی بناوٹ پر غور کرو گے تو تمہیں اس کی آفرینش پر تعجب ہوگا۔ اگر تم غور و فکر کے راستوں کو طے کرتے ہوئے اس کی آخری حد پر پہنچ جاؤ گے تو جان سکو گے کہ جو (اللہ) چیونٹی کا پیدا کرنے والا ہے، کھجور کا پیڑ بھی اسی نے پیدا کیا ہے۔ ہر ذی حیات کے مختلف اعضاء میں باریک ہی سا فرق تو ہے!

(خطبہ: ۱۸۳)





توحیدِ مفضل

حکمت و معرفت کا ایک انمول خزانہ

علامہ سیّد رضی جعفر نقوی

صاحبانِ فکر و نظر سے یہ حقیقت مخفی نہیں ہے کہ تمام انبیاءؑ و مرسلینؑ اور جملہ ہادیانِ برحق کی زندگی کا اہم ترین مشن، توحید کے پرچم کو بلند کرنا۔ بنی نوع انسان کو گمراہیوں سے نکالنا اور انہیں رشد و ہدایت کے پسندیدہ راستے پر چلانا تھا۔

جیسا کہ قرآن مجید کی سیکڑوں آیات گواہ ہیں، خاص طور سے سورہ ھود، جس میں متعدد پیغمبروںؑ کے تذکرے کے ساتھ خداوند عالم نے یہ وضاحت فرمائی ہے کہ اُن لوگوں نے اپنی قوم کو ہدایت فرمائی کہ: لَا تَعبُدو اِ الَّا اللّٰہ (اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو)

حضرت نوحؑ، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت لوطؑ، حضرت شعیبؑ، حضرت موسیٰؑ اور تمام انبیائے کرام علیہم السلام نے اپنی تبلیغ کا آغاز، دعوتِ توحید سے ہی فرمایا کیونکہ جب تک انسان کے دل میں وحدانیت کا چراغ روشن نہ ہو، اس کا قبلہ درست نہیں ہوسکتا ہے اور نہ وہ حق کے راستے پر گامزن ہوسکتا ہے۔

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُن کی اولادِ طاہرین، آئمہ معصومین علیہم السلام نے تو اس موضوع کو اس قدر زیادہ اہمیت دی ہے کہ دین اسلام کا نام ہی ''دین توحید'' مشہور ہوگیا۔

توحید کے بارے میں حضرات اہلبیت، آئمہ طاہرین علیہم السلام کے ارشاداتِ گرامی سے اسلامی علوم معارف کے ذخائر جگمگا رہے ہیں اور ان تمام ارشادات کے درمیان حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے اُن گراں بہا جواہر کو نہایت خصوصی امتیاز حاصل ہے جو آپ نے اپنے خاص

شاگرد اور صحابی مفضل ابن عمرؒ کو مرحمت فرمائے تھے۔

''توحید مفضل''انہی جواہر پاروں کا مجموعہ ہے۔یہ کتاب توحید مفضل ہی کے نام سے مشہور ہے اور عربی، فارسی اور اردو زبان میں دنیا کے متعدد ممالک سے شائع ہوتی رہی ہے۔لیکن اس سے پہلے اس کی شرح کبھی نہیں لکھی گئی۔حقیقت یہ ہے کہ یہ سعادت اللہ تعالیٰ کی جانب سے محمد علی سید صاحب کو حاصل ہوئی اور وہ بہ فضلِ خدا اسلامی ادب کے اس علمی جواہر پارے کو عام فہم زبان اور سائنسی تشریحات کے ساتھ پیش کرنے میں کامیاب ہوئے۔

جناب محمد علی سیّد صاحب جو قلم کی دنیا میں ایک معتبر مقام رکھتے ہیں، سائنسی معلومات سے قوم و ملت کے صاحبانِ فکر و دانش کے دامن کو مالا مال کرنے کی سعی پیہم میں لگے رہتے ہیں۔

اچھوتے موضوعات پر منفرد نگارشات پیش کرنے والے ادیب، مصنف و مولفِ عالی قدر جناب محمد علی سیّد صاحب دام مجدہ نے اس عظیم الشان کتاب پر نہایت ہی محنت و عرق ریزی کے ساتھ ایک گراں قدر ریسرچ ورک انجام دیا ہے۔یہ کتاب جو اس وقت آپ کے ہاتھ میں ہے، یہ ایک غیر معمولی اہمیت کی کتاب ہے۔اس کی قدر کیجئے گا۔

محمد علی سیّد کے قلم سے اب تک متعدد قیمتی کتابیں منظرِ عام پر آ چکی ہیں۔

مثلاً ۱۔ربّ العالمین دعا اور انسان ۲۔ثقلین اور سائنس ۳۔جسم کے عجائبات ۴۔ڈی این اے جسم کی کتاب ہدایت (واضح رہے کہ یہ ڈی این اے کے حوالے سے اردو زبان میں یہ پہلی کتاب ہے) ۵۔قرآن اور سائنس

ان میں سے ہر کتاب بالکل منفرد انداز لیکن عام فہم زبان میں لکھی گئی ہے اور ان موضوعات پر لکھی گئی دوسری تمام کتابوں میں اپنی الگ شناخت رکھتی ہے۔چند برسوں میں محمد علی سیّد صاحب کی ان کتابوں کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ان کی ہر کتاب قارئین، خصوصاً نئی نسل کے لیے گراں قدر، معلوماتی، دل چسپ، دل آویز اور ایک سود مند تحفہ ہے۔

محترم محمد علی سیّد صاحب کی تحریر میں ایسی شگفتگی ہوتی ہے کہ دل خود بہ خود اس کی طرف کھنچتا ہے

اور کتاب شروع کرنے کے بعد اسے آخری سطر تک پڑھے بغیر ہاتھ سے رکھنے کو دل نہیں چاہتا۔

آپ کی ان تمام نگارشات میں ''توحیدِ مفضل'' بہر حال ایک امتیازی وصف کی حامل ہے۔

''توحید مفضل'' اس سے قبل جن زبانوں میں شائع ہوئی، خصوصاً اردو زبان میں شائع ہونے والی کتاب کی عبارت اس قدر دقیق، اور مطالب ایسے پیچیدہ نظر آتے تھے کہ محاورے کے مطابق لوگ اسے چوم کر ہی ایک طرف رکھ دیتے۔ لیکن محترم محمد علی سیّد صاحب نے اس عظیم الشان کتاب کو ایک نئے قالب میں ڈھالنے کا ارادہ کیا اور نہایت عمدہ کامیابی حاصل کی۔

''توحید مفضل'' نامی یہ کتاب اسلامی دنیا کے قابل افتخار سرمائے میں ایک منفرد مقام رکھتی ہے، آیئے اس کے بعض مندرجات پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔ ان میں سے بیشتر عنوانات محمد علی سیّد صاحب نے قائم کیے ہیں۔

☆ کائنات کے اجزاء ☆ رشتوں کی زنجیر ☆ کائنات میں حسنِ ترتیب اور ہم آہنگی ☆ زندگی کا ابتدائی مرحلہ ☆ نئے انسان کا آغاز ☆ انسان کا بچہ اگر عقل کامل کے ساتھ پیدا ہوتا......؟ ☆ محدود عقل، لامحدود کائنات ☆ نیچر اللہ کا بنایا ہوا ایک نظام ہے ☆ ''تدبیر'' سے کیا مراد ہے؟ ☆ وہ عظیم فضیلت، جو صرف انسان کو دی گئی ☆ عالم غیب میں جنس کا تعین ☆ اعضا کی موزونیت ☆ علم کی حد کیا ہے؟ ☆ جانداروں کے جسم ایک مخصوص حد کے بعد، کیوں نہیں بڑھتے؟ ☆ وقت اور زمانے کا آغاز ☆ بگ بینگ......یعنی عظیم دھماکا ☆ دوسرے سیاروں کے رات دن اور سال ☆ درندے اگر عقل و شعور کے حامل ہوتے......؟ ☆ ڈولفن (ایک آبی جانور) کے معمولات ☆ ایک ننھے سے کیڑے کی ذہانت ☆ زرافہ ایک عجوبہ ☆ کیا سائنس دان ایک چیونٹی پیدا کر سکتے ہیں؟ ☆ ایک عجیب الخلقت جانور ☆ شہد کی مکھی، انجنیئرنگ کی ماہر ☆ مچھلیاں، پانی میں ڈوبتی کیوں نہیں؟ ☆ طلوع و غروب کے فائدے ☆ دن، رات کا اعتدال ☆ سورج اور زمین کا رشتہ ☆ ستاروں اور کہکشاؤں کی حرکت ☆ سو گھنٹے کا دن۔ سو گھنٹے کی رات ☆ جواہر اربعہ کیا ہیں؟ ☆ بیماریاں اور مشکلات کیوں آتی ہیں؟ ☆ آکسیجن کا ایک اور فائدہ

☆بارش کا پانی، بوندوں کی شکل میں کیوں برستا ہے؟ ☆پہاڑوں کے فائدے اور حکمت ☆معدنیات کہاں سے آتے ہیں؟ ☆فصلوں کی حفاظت کے دوسرے انتظامات ☆درختوں اور پودوں کی غذا کے انتظامات ☆درختوں کی ایک حیران کن صلاحیت

ان کے علاوہ سیکڑوں، اچھوتے اور منفرد عنوانات سے مزّین اس کتاب کا مطالعہ، ہر مومن کی معرفت میں اضافہ، شعور میں بالیدگی اور خالقِ کائنات سے اسے قریب کرنے کا ذریعہ بنے گا۔

زیرِ نظر کتاب ''توحید مفضل'' بہت ہی دقیق علمی مطالب پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب شائع تو کئی بار ہوئی لیکن جیسا کہ میں نے ابتدا میں عرض کیا تھا، اس کا سمجھنا عام قارئین ہی نہیں، خواص کے لیے بھی خاصا مشکل تھا۔ محمد علی سیّد صاحب نے پہلی بار اسے جدید قالب میں ڈھال کر، سادہ ترین عبارت میں اس کے دقیق مطالب کو نہایت خوب صورتی سے قارئین کرام کے اذہانِ عالیہ میں اتارنے کی کوشش کی ہے۔

میری ذاتی رائے میں ''توحید مفضل'' پر محمد علی سیّد صاحب کے اس ریسرچ ورک کو تمام جامعات، کالجوں، اسکولوں، دینی مدارس اور اسلامی اداروں کی لائبریریوں کا لازمی حصہ ہونا چاہیے۔

میں اس کامیابی پر انہیں مبارک باد پیش کرتے ہوئے بارگاہ معبود میں دست بہ دعا ہوں کہ انہیں صحت و عافیت کی نعمت سے سرفراز رکھے۔ ان کی تمام تمنائیں پوری کرے، انہیں کارگاہ حیات میں ہمیشہ کامیاب و کامران رکھے اور ان کے قلم کی توانائیوں میں اور اضافہ کرے تاکہ وہ اپنی گراں قدر نگارشات کے ذریعے سے گلشن علم و ادب میں ایک سے بڑھ کر ایک پھول کھلاتے رہیں اور اہل ایمان، صاحبان فکر و نظر کے شعور کی بالیدگی کے لیے بہتر سے بہتر علمی مواد، حسین طرز نگارش اور اعلیٰ طباعت کے ساتھ پیش کرتے رہیں۔

آمین......بحق محمدؐ و آلہ الطاہرینؑ

طالبِ دعا

علامہ سید ضمیر جعفر نقوی

ڈاکٹر وقار احمد زبیری

ماہر حیاتیات

توحید مفضل

ایک حیرت انگیز کتاب

چند روز ہوئے محترم محمد علی سید صاحب نے ایک ایسی کتاب کا تذکرہ کیا جو کم و بیش ایک ہزار سال پہلے دیے گئے سائنسی لیکچرز پر مشتمل تھی۔ یہ لیکچر جناب امام جعفر صادقؑ نے اثباتِ وجودِ خدا کے دلائل کے ذیل میں اپنے شاگرد مفضل ابن عمرؒ کے سامنے ارشاد فرمائے اور اپنے سامنے انھیں قلم بند کرایا تھا۔ حیران کن بات یہ ہے کہ یہ تین لیکچرز سائنس کے ان تمام موضوعات کا احاطہ کرتے ہیں جو آج جدید سائنس کے بنیادی موضوعات کہلاتے ہیں۔

امام جعفر صادقؑ کے سائنسی شعور کا اعتراف ہر زمانے میں کیا گیا۔ ڈاکٹر حفیظ الرحمٰن صدیقی نے اپنی کتاب ''دنیائے اسلام میں سائنس وطب کا عروج'' میں لکھا ہے کہ مشہور کیمیادان جابر بن حیان، امام جعفر صادقؑ کے شاگرد تھے۔

امام جعفر صادقؑ نے اس دور یعنی سن دو ہجری میں جو کچھ ارشاد فرمایا تھا، اس وقت تجربات سے اس کی تصدیق نہیں ہو سکتی تھی مگر آج آپ کی کہی ہوئی ہر بات درست ثابت ہو رہی ہے۔ جدید معلومات کی روشنی میں محمد علی سید صاحب نے جو تفصیلات اپنے نوٹس کی شکل میں پیش کی ہیں وہ امام کی کہی ہوئی باتوں کی بہت عمدہ تشریح ہے۔ خردبین اور دیگر جدید آلات ان سب باتوں کو درست ثابت کر رہے ہیں جو اس وقت امام جعفر صادقؑ نے مفضل ابن عمرؒ کو تعلیم فرمائی تھیں۔

یہ اعتراف بھی ضروری ہے کہ میں عرصۂ دراز 1960ء سے تا حال کم و بیش 50 سال سے علم

الحیوانات کی تدریس کے شعبے سے وابستہ رہا ہوں لیکن جب سید صاحب نے یہ لیکچر عطا کیا تو میں اس کو پڑھتا جاتا تھا اور میری حیرت واستعجاب میں اضافہ ہوتا جاتا تھا کہ آج میں جو کچھ خرد بین سے دیکھ کر بیان کرتا ہوں، امام جعفر صادقؑ پوری تفصیل اور وضاحت کے ساتھ وہ تمام سائنسی حقائق ایک ہزار سال پہلے بیان فرما رہے ہیں۔ پرندوں کے اڑنے کی صلاحیت کو، نہ صرف بیان کر رہے ہیں بلکہ اس کے مختلف پروں کی تفصیل سے بھی آگاہ کر رہے ہیں، ان باریک پروں کو جو خرد بین کے بغیر نہیں دیکھے جاسکتے۔ یہی نہیں وہ پرندوں کے انڈوں کی تفصیل بیان کر رہے ہیں اور پرندوں کے انڈے دینے کے اسباب بھی۔ آج تو حیاتیات کے طالب علم کو بھی بہت کچھ معلوم ہے لیکن ہزار سال پہلے یہ حقائق بڑے بڑے نامور فلسفیوں کو بھی معلوم نہیں تھے۔ سن دو ہجری میں ان سائنسی حقائق کو اس معیار کے ساتھ بیان کرنا واقعی ایک حیران کن بات ہے۔

امام جعفر صادقؑ یہ بھی بتا رہے ہیں کہ پرندوں کے جسم میں ہڈیاں کیسی ہوتی ہیں، کچھ پرندوں کی گردن لمبی کیوں ہوتی ہے۔ کچھ کی چونچ مڑی ہوئی اور چھوٹی کیوں ہوتی ہے۔ پرندے کے جسم میں مثانہ کیوں نہیں ہوتا۔

چمگادڑ کیسے دیکھتی ہے؟ نظر کمزور ہونے کے باوجود وہ اپنی غذا کیسے حاصل کرتی ہے۔ یہ بات تو ابھی چند سو سال پہلے بعد طے ہوئی کہ چمگادڑ پرندہ نہیں ہے بلکہ بچوں کو دودھ پلانے والے حیوانات کے گروہ ممالیہ میں شامل ہے مگر سن دو ہجری کے زمانے میں یہ معلوم کرنا اور بیان کرنا کہ چمگادڑ انڈے نہیں دیتی، حیرت انگیز ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یونانیوں نے بھی محض مشاہدے کے بناء پر بہت سے سائنسی حقائق بیان کیے۔ مثلاً ارسطو نے تقریباً پانچ سو حیوانات کو شناخت کیا اور ان کے نام رکھے۔ سمندری حیوانات کے حوالے سے بھی ابتدائی کام ارسطو ہی نے کیا۔ شیر، ہاتھی، گرگٹ وغیرہ بھی اس کے مشاہدات کا موضوع بنے۔ ارسطو کے ایک شاگرد نے پودوں کی شناخت پر قابل قدر کام کیا۔

مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ ارسطو نے کہا تھا کہ مچھلیاں کیچڑ سے خود بخود پیدا ہوتی ہیں یا مکھیاں

سڑے ہوئے گوشت سے پیدا ہوتی ہیں یا چوہے گوبر سے پیدا ہوتے ہیں۔

اس کے برعکس امام جعفر صادق نے جو کچھ فرمایا سائنسی دنیا میں آج اس کی تصدیق ہو رہی ہے اور اس کی تفصیلات بیان کی جا رہی ہیں۔ ان کے بیان کردہ حقائق آج بھی درست ہیں۔ خواہ وہ پرندوں کے گھونسلے بنانے کی صلاحیت کو بیان کر رہے ہوں یا شہد کی مکھی کی حیرت انگیز سماجی زندگی یا شہد اور موم کے بنانے کی تفصیل بیان کر رہے ہوں یا مجموعی طور پر حیوانات کے طرز زندگی کو بیان کر رہے ہوں اور ان سائنسی انکشافات کا مقصد و محور صرف یہ ہے کہ سننے والا یا پڑھنے والا اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کے خالق ہونے کا قائل ہو جائے۔

حیوانات کا غذا حاصل کرنا، اس کو قابل ہضم بنانا، ہضم کرنا، فاضل مادوں کو خارج کرنا، موسم کی شدتوں سے اور دشمنوں سے اپنا دفاع کرنا، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ صلاحیتوں کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ وہ جب چاہتا ہے ذی حیات کی کسی نوع سے ماحول میں فٹ ہونے کی صلاحیت واپس لے لیتا ہے اور وہ نوع یا اس نوع کے حیوان کرہ ارض سے یکسر معدوم ہو جاتے ہیں۔

میں محمد علی سیّد کے لیے دعائے خیر کرتا ہوں کہ انہوں نے اس حیرت انگیز کتاب کو تلاش بھی کیا اور جدید ماحول کے مطابق ضروری وضاحتیں مستند حوالوں کے ساتھ پیش کیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ کتاب عوام اور خواص دونوں میں مقبولیت حاصل کرے گی اور توحید باری تعالیٰ پر لکھنے والے اس سے بھرپور استفادہ کریں گے۔

وقار احمد زبیری

محمد علی سیّد کا طرزِ تحریر

سید حسن امام رضوی
(ر) ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج، کراچی

کتاب لکھنا ایک فن ہے لیکن سید صاحب کتاب کو پڑھوانے کے فن سے بھی آگاہ ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کتاب لکھنا بہت آسان بھی ہے اور انتہائی مشکل بھی۔ آسانی سے لکھی گئی کتاب قاری کو بہت جلد اکتاہٹ سے دوچار کر دیتی ہے۔ قاری چند صفحات بہ مشکل پڑھ پاتا ہے اور اس مشکل سے نبرد آزما ہونے کے ارادے سے اس کتاب کو آئندہ کسی وقت کے لیے ایک طرف رکھ دیتا ہے اور یہ "آئندہ" بیشتر صورتوں میں بھی نہیں آتا۔ بالآخر یہ کتاب کسی دوست، عزیز کو دے دی جاتی ہے یا گھر میں موجود ایسی بہت ساری کتابیں جمع کر کے کسی لائبریری یا مسجد کو ہدیہ کر دی جاتی ہیں۔

مشکل اور محنت مشقت سے لکھی گئی تحریر اپنے قاری کے مطالعے کو آسان بناتی ہے البتہ قاری لذتِ مطالعہ کے دوران احساس بھی نہیں کر پاتا کہ کتاب کو اس حالت تک لانے میں لکھنے والے کو کن مشقتوں سے گزرنا پڑا ہوگا۔ خاص طور پر اس صورت میں کہ مصنف اپنی کتاب کا ایڈیٹر، پروف ریڈر اور آؤٹ ڈور بوائے بھی خود ہو اور قبل از اشاعت کے تمام مراحل کی نگرانی بھی اسی کی ذمے داری ہو۔

خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گلِ کوزہ

آیئے! سیّد صاحب پر بات کرنے سے پہلے اردو زبان کے بہترین نثر نگار جناب شکیل

عادل زادہ کی ایک خوب صورت تحریر سے اقتباس آپ کو سنائیں۔

''اچھی نثر کیا ہے؟ کوئی عامی بھی بہ آسانی اس کا جواب دے سکتا ہے کہ خوش گوار، رواں، سادہ اور دل نشین نثر لیکن یہ سادگی و خوش گواری، روانی اور دل نشینی آسان کام نہیں۔ یہ ایک طرف تو عطیہ ہے تو دوسری طرف عشق و ریاضت، موضوع کا گہرا مطالعہ و مشاہدہ، موضوع پر گرفت اور خود راقم کی شرکت بلکہ شرکت قلبی۔

اچھی نثر کے لیے بار بار چھاننا پھٹکنا پڑتا ہے۔ بار بار دیکھنے اور بہ قول، دھوپ دکھانے سے نثر کے جھول یا سقم دور ہو جاتے ہیں یعنی یہ بھی ممکن ہے کہ نظر اول، دوم، سوم وغیرہ کے بعد عبارت، چست، رواں، شستہ و شگفتہ اور اس کی توضیح میں بہتری اور تاثر میں شدت آ جائے۔ بعض صاحبان کی طرز تحریر بڑی گنجلک اور پیچیدہ بھی ہوتی ہے۔ قاری ان کے معانی و مفاہیم سمجھنے کی تگ و دو سے بھی گھبرانے لگتا ہے۔

بہر حال اپنے نفسِ مطلب میں غیر واضح قلم کار کو قلم اٹھانے سے پہلے مدعا کی اچھی طرح تطہیر و تفطیر کر لینی چاہیے ورنہ تحریر میں سلوٹیں پڑ جانے کا احتمال رہتا ہے، لکنت آ سکتی ہے۔ کوئی قلم کار نفسِ مطلب سے ہر طرح آگاہ، صاف اور مطمئن ہے اور بد قسمتی سے متناسب الفاظ کا انتخاب کرنے سے قاصر رہا تو بھی کچھ یہی صورت حال پیش آ سکتی ہے''۔

(حوالہ: دیباچہ فرنود)

آپ کسی حد تک جان ہی گئے ہوں گے کہ نثر کو ان صفات کے ساتھ لکھنا کس قدر مشکل کام ہے۔ ہمارے یہاں عام طور پر ان باتوں کی طرف توجہ نہیں دی جاتی اور اگر یہ نثر کسی دینی موضوع کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے تو قلم کار کی ساری توجہ موضوع پر مرکوز رہتی ہے۔ املا، انشاء اور

تحریر کی روانی وغیرہ کا خیال رکھنا ضروری نہیں سمجھا جاتا۔ اسی سبب سے چند بہترین مثالوں کے سوا بیشتر مذہبی تحریریں عام طور پر خشک، کھردری اور بے رونق ہوتی ہیں اور اسی سبب سے ہاتھ سے الماری اور الماری سے کسی لائبریری میں منتقل ہو جاتی ہیں یا کم از کم گھر میں ایک لائبریری سی بن جاتی ہے اور ہر آنے جانے والوں کو متاثر کرتی رہتی ہے۔

محمد علی سید صاحب کیسی نثر لکھتے ہیں؟ اس کا اندازہ آپ ان کی مختلف کتابوں کے مطالعے سے کر سکیں گے۔ ان کی تحریریں طبع زاد ہوتی ہیں (مثلاً: رب العالمین دعا اور انسان) اور اگر یہ کسی کتاب کو انگریزی سے ترجمہ بھی کر رہے ہوں تو ترجمہ اس مہارت سے کرتے ہیں کہ اردو زبان میں ایک بالکل نئی اور طبع زاد کتاب کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ ان کا موضوع بالکل واضح ہوتا ہے اور مقصد پہلے سے طے شدہ۔ ان کی تحریر میں نہ آپ کو کہیں شکن یا سلوٹ نظر آئے گی اور نہ ان کی تحریر کا کوئی حصہ آپ کے لیے ناقابل فہم رہے گا۔

سیّد صاحب کے ذہن میں بیشتر جملے بنے بنائے اترتے ہیں۔ بالکل کسی خوب صورت اور بے ساختہ شعر کی مانند لیکن سارے ہی جملے ایسے نہیں ہوتے۔ ایسے میں ناپختہ جملوں کا کھردرا پن انہیں کھٹکتا ہی رہتا ہے۔ حتیٰ کہ یہ شدید محنت کے بعد ''آورد'' کو ''آمد'' میں تبدیل نہ کرلیں۔ ان کی اکثر کتابوں کے سات آٹھ سے زیادہ پروف نکلتے ہیں لیکن سید صاحب آخری پروف میں بھی کسی نہ کسی جملے کی ساخت بدل ہی دیتے ہیں۔

محمد علی سید صاحب اپنے جملوں میں الفاظ کی ترتیب، پیراگرافنگ، ذیلی سرخیوں، زیر، زبر، پیش، فل اسٹاپ، کوما اور سوالیہ یا استعجابیہ نشانات پر بے پناہ توجہ دیتے ہیں۔ ہم معنی الفاظ ان کے ذخیرے میں موجود ہوتے ہیں اور یہ انہیں لکھ لکھ کر بدلتے رہتے ہیں یہاں تک کہ ان کی سطریں روشن، رواں اور آسان سے آسان تر نہ ہو جائیں۔

وہ کہتے ہیں۔ ''میں جب لکھ رہا ہوتا ہوں تو میرا قاری چشمِ تصور میں میرے سامنے اس تحریر کو پڑھ بھی رہا ہوتا ہے اور میں اندازہ کرتا رہتا ہوں کہ اس کے دماغ نے اپنے اسکینرز یعنی آنکھوں کی

مدد سے کیا اسکین کیا۔ کہیں کسی سطر کا کوئی حصہ اسکین ہونے سے رہ تو نہیں گیا۔ قاری کا ذہن ہینگ ہونے کے بجائے ان لفظوں کو آسانی سے اپنی یادداشت کی فائل میں کاپی بھی کر سکا۔ اس لیے کہ جب قاری کا دماغ میری سطروں کو اسکین کرتے وقت بار بار دشواری محسوس کرے گا تو پڑھنے والا پہلے صفحے کو پوری طرح سمجھے بغیر اگلے صفحات کو پلٹنے لگے گا اس کے نتیجے میں بہت جلد کتاب کو بند کر کے آیندہ کے لیے کسی جگہ رکھ دے گا۔

اس طرح زیر، زبر، پیش کا مسئلہ ہے۔ اب اگر انھوں نے کسی جملے میں لفظِ ''پل'' لکھا تو ان کے خیال میں اس پر اعراب لگانا ''واجب کفائی'' نہیں ''واجب عینی'' ہوتا ہے۔ بزرگ حضرات تو سیاق و سباق سے ''پُل'' کے معنی سمجھ جائیں گے لیکن نوجوان پڑھنے والے کا ذہن کئی لمحوں تک فیصلہ نہیں کر پائے گا کہ یہ لفظ پِل، پُل، پَل میں سے کیا ہے۔

اسی طرح جملے میں اگر کہیں لفظوں کی ترتیب اس طرح بن رہی ہو۔ ''جوان باتوں پر غور کرتے ہیں'' تو اس مقام پر ضروری ہے کہ ''جوان'' کے الف کے نیچے زیر لگایا جائے ورنہ پڑھنے والے کا ذہن اس ''جو اِن'' کو پہلی مرتبہ میں ''جوان'' پڑھ جائے گا (اور پھر وہی وقت کا زیاں اور اکتاہٹ)۔

یہی معاملہ فل اسٹاپ کوما اور واویز، کا ہے۔ اگر تحریر میں ان کا استعمال نہ کیا جائے تو جملوں کے مفاہیم ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو کر معنی کو کچھ سے کچھ کر دیتے ہیں۔ بعض مقامات پر واوین کا استعمال ناگزیر ہو جاتا ہے۔ کسی لفظ کو اُجاگر کرنا یا اس مقام پر اس کے دیگر معنی کو بھی شامل کرنا یا لفظ کو بالکل ہی نئے معنی میں استعمال کرنا بھی ایک ہنر ہے اور سید صاحب اس ہنر کو جانتے ہیں۔

اعراب کے سلسلے میں بعض دشواریاں بھی ہیں۔ مثلاً اردو اِن پیج سوفٹ ویئر میں خامی یہ ہے کہ اگر بعض حروف پر اعراب لگا دیے جائیں تو متعلقہ حروف کی شکل بدنما ہو جاتی ہے۔ واضح نہیں ہوتا کہ یہ حرف کیا ہے۔ اعراب لگانے سے اکثر نقطے بھی غائب ہو جاتے ہیں۔ ایسے میں ان کے لیے مشکل یہ ہوتی ہے کہ اعراب لگائیں یا لفظ کو مسخ ہونے سے بچائیں۔

محمد علی سید صاحب جب اپنی تحریر کا کوئی باب مکمل کر لیتے ہیں تو اسے بلند آواز سے پڑھتے بھی ہیں۔ اس طرح انہیں تحریر میں موجود ممکنہ "عبارتی لکنت" کا بھی احساس ہو جاتا ہے اور یہ اس لفظ کو فوراً ہی بدل دیتے ہیں تاکہ ان کا قاری اس رکاوٹ کو بہ آسانی عبور کر سکے۔

پیراگرافنگ ایک الگ فن ہے۔ اگر کسی صفحے پر ایک سے زیادہ پیراگراف نہ بنائے جائیں اور ان کی ذیلی سرخیاں نہ قائم کی جائیں تو قاری اس مسلسل اور لفظوں سے گتھے ہوئے صفحے کو دیکھ کر ایک خاص طرح کی مشکل میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اسے اس صفحے کی عبارت کو پڑھنے کے دوران کہیں سانس لینے کا موقع ہی نہیں ملتا اور آخر کار اس کا ذہن فرار کی راہ ڈھونڈنے لگتا ہے۔

محمد علی سید بہر حال پیراگرافنگ سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہیں اور ہر پیراگراف کو اپنی ایک ایسی منتخب سطر سے شروع کرتے ہیں جو فوراً ہی قاری کے ذہن کو اپنی گرفت میں لے کر اسے اگلی سطروں کو نہ صرف پڑھنے بلکہ سمجھنے پر مجبور کر دے۔

اسی طرح الفاظ کے سائز، فونٹ، لفظ فی سطر اور سطروں کے درمیان فاصلے کا معاملہ ہے۔ ہر کتاب کے سائز کے مطابق یہ فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ الفاظ کتنے بڑے ہوں اور ان کی فی سطر تعداد کس قدر رکھی جائے۔ ان کی کوشش ہوتی ہے انگلش کا لفظ استعمال کریں تو اگر وہ عام فہم نہیں ہے تو بریکٹ میں اس لفظ کو انگریزی زبان میں بھی لکھیں۔ اسی طرح اگر عربی یا فارسی کا کوئی نامانوس لفظ استعمال کیا جائے تو بریکٹ میں اس کے معنی میں لکھے جائیں تاکہ ایک عام قاری اس لفظ کو سمجھنے کا کام مستقبل کے لیے نہ رکھ چھوڑے۔

اپنی تحریروں کی تعریف سن کر ہر مصنف کو مزہ آتا ہے۔ سید صاحب کو بھی بڑا مزہ آتا ہے۔ وہ کہتے ہیں پڑھنے والوں کو لکھنے والوں کی تعریف اور ہمت افزائی ضرور کرنا چاہیے۔ اس تعریف کے بغیر تو بڑے بڑے خطیبوں کی سانس اکھڑ جاتی ہے...... لیکن ان کا کہنا ہے کہ یہ تعریف سوچے سمجھے، طے شدہ منصوبے کے تحت نہیں ہونا چاہیے۔ کتاب کو پڑھ کر اور سوچ سمجھ کر تعریف کی جائے تو یہ ایک مستحسن بات ہوگی۔ جہاں تک لکھنے والے کا تعلق ہے تو اگر وہ خود اپنے بارے میں کسی خوش

فہمی یا غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہے تو خود ہی اپنی تحریر کا بے رحم ناقد ہوتا ہے۔اس طرح کا شعور اسے خود پسندی جیسے مہلک امراض سے محفوظ رکھتا ہے۔

پہلے زمانے میں جب کوئی شاعر کسی راجہ، مہاراجہ، کسی بادشاہ، کسی حاکم وقت کی خدمت میں اپنا قصیدہ پیش کرتا تھا تو خسروانِ زمانہ اسے جڑاؤ خنجر، مرصع تلوار اور خلعت و منصب کے ساتھ ساتھ زر و زمین سے بھی نوازتے تھے۔ایسا آج بھی ہوتا ہے، آج بھی صاحبانِ اقتدار و حکومت، قصیدہ خوانی کرنے والوں کو پلاٹ و پرمٹ کے ذریعے مالا مال کر دیتے ہیں۔محمد علی سید کے لیے پلاٹ بھی بہت ہیں اور پرمٹ بھی لیکن وہ یہ کام کرنے کو تیار تو ہوں!

اگر انہیں اس طرف متوجہ کیا جائے تو وہ مسکرا کر میر انیسؔ کا یہ شعر پڑھتے ہیں ؎

غیر کی مدح کروں شہؑ کا ثنا خواں ہو کر
مجرئی اپنی ہوا کھوؤں سلیماں ہو کر

سید حسن امام رضوی

اس حدیث کے راوی

جناب مفضل ابن عمرؓ جُعفی

خدمات ومنزلت

یہ حدیث مبارک جو امام جعفرؑ کی زبان مبارک سے صادر ہوئی، توحید کے موضوع پر ایک طولانی روایت ہے۔ اس کے راوی مفضل ابن عمرؓ جعفی کوفی ہیں۔ یہ حدیث اسی سبب سے توحید مفضل کے نام سے مشہور ہے۔ اس حدیث کا فارسی، فرانسیسی، انگریزی اور اردو زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

"جناب مفضل ابن عمرؓ، امام جعفر صادقؑ کے نہایت ممتاز شاگرد ہیں۔ جناب مفضل ابن عمرؓ کا تعلق جعفی قبیلے سے تھا اور آپ کوفے کے رہنے والے تھے۔ اسی لیے آپ مفضل ابن عمرؓ جعفی کوفی کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ اپنے وقت کے نامور دانشمند اور بہت ہی بافضیلت و باکمال شخصیت تھے۔

آپ نے امام جعفر صادق علیہ السلام اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے مکتب علمی سے درس معرفت حاصل کیا۔ بعض روایات کے مطابق انھوں نے امام محمد باقر علیہ السلام کی علمی محفل سے بھی فیض حاصل کیا تھا۔ جناب مفضلؓ، امام جعفر صادق علیہ السلام اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے معتبر اور قابل بھروسا اصحاب میں شامل تھے۔ دونوں اماموں کے نزدیک انھیں خاص الخاص مقام حاصل تھا۔ (حوالہ: قاموس الرجال: جلد ۹ صفحہ ۹۳۔۱۰۱)

مفضل ابن عمرؓ کی منزلت کو سمجھنے کے لیے یہ بات ہی کافی ہے کہ آپ امام جعفر صادقؑ اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے اموال وصول کرنے اور خرچ کرنے میں دونوں اماموں کے وکیل تھے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "مفضل! جب تم دیکھو کہ ہمارے دو شیعوں کے درمیان مال پر اختلاف ہوا ہے تو ہمارے مال سے رقم ادا کر کے یہ جھگڑا ختم کرا سکتے ہو۔" (حوالہ: مفضل۔ امینِ امامؑ)

مفضل ابن عمرؓ پہلی صدی ہجری کی آخری دہائی میں پیدا ہوئے۔ آپ نے 80 سال کی عمر

پائی اور سن دو ہجری میں انتقال فرمایا۔ آپ کی جو تالیفات ہم تک پہنچی ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ توحید مفضل ۲۔ کتاب الوصیہ ۳۔ کتاب الیوم واللیلۃ ۴۔ عِلَل الشرائع ۵۔ کتاب اہلیلج (یعنی ہڑ)۔ یہ کتاب ''حدیث ہلیلہ'' کے نام سے معروف ہے۔

جناب شیخ طوسیؒ نے اپنی ''رجال'' اور شیخ مفید علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب ''ارشاد'' میں جناب مفضل ابن عمرؓ کو امام جعفر صادقؑ کے عظیم اور مورد اطمینان اصحاب میں شمار کیا ہے۔

ہشام ابن احمد سے روایت ہے۔ ''میں ایک دن امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میرے ذہن میں خیال تھا کہ میں حضرتؑ سے مفضل ابن عمرؓ کے بارے میں سوال کروں گا، لیکن اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا، امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''خدا کی قسم مفضل ابن عمر جعفی ایک عظیم اور نیک انسان ہے۔'' امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس جملے کو تیس سے زیادہ مرتبہ دہرایا اور پھر کہا: ''اس کے گھر والے بھی ایسے ہی ہیں''۔

(حوالہ: البحار الانوار۔ جلد ۵۰ صفحہ ۳۴۰)

عبداللہ بن فضل ہاشمی روایت کرتے ہیں۔'' میں ایک مرتبہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا کہ مفضل ابن عمرؓ وہاں داخل ہوئے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کی نظر جیسے ہی ان پر پڑی تو آپؑ نے فرمایا: ''مفضل! خدا کی قسم میں تمہیں دوست رکھتا ہوں اور تمہارے دوستوں کو بھی دوست رکھتا ہوں۔'' اس کے بعد آپؑ نے فرمایا: ''اگر میرے تمام اصحاب وہ معرفت رکھتے جو تم رکھتے ہو تو کبھی بھی دو افراد میں اختلاف نہ ہوتا''

مفضل ابن عمرؓ نے عاجزی سے عرض کیا: ''فرزند رسولؐ! میرا خیال ہے آپؑ نے میرا مرتبہ زیادہ بلند کر دیا ہے۔''

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''ایسا نہیں ہے۔ میں نے تو تمہیں وہی مقام دیا ہے جس مقام پر اللہ تعالیٰ نے تمہیں قرار دیا ہے۔'' (حوالہ: البحار الانوار۔ جلد ۵۰ صفحہ ۳۹۵)

یہ تھا جناب مفضل ابن عمرؓ کی شخصیت کا ایک سرسری سا جائزہ۔ جو حضرات جناب مفضلؒ کی

شخصیت، خدمات اور ان کے مقام و منزلت کے بارے میں تفصیل جاننا چاہیں وہ درج ذیل ویب سائٹس سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ 2-www.andishaqom.org 1-www.raban.ir

عجیب بات یہ ہے کہ علمِ رجال کے ماہرین کے ایک گروہ نے جناب مفضل ابن عمرؓ کی درخشاں شخصیت کو بے وجوہ دھندلانے کی کوشش کی۔ جناب مفضلؓ کی شخصیت کو متنازعہ بنانے کے پیچھے وہی سوچ کارفرما ہی کہ راوی کو مشکوک بنا دیا جائے تو اس سے مروی علوم آل محمدؐ کے بارے میں شک وشبہ پیدا کرنا مشکل نہیں ہوگا۔ لیکن اس کوشش میں خاک اڑانے والوں کے اپنے چہرے خاک آلود ہو گئے اور مفضل ابن عمرؓ کی شخصیت علوم آل محمدؐ کے نور سے مزید جگمگا اٹھی۔

ہمارے اس دعوے کی دلیل وہ کلام ہے جو مفضل ابن عمرؓ نے امام علیہ السلام سے نقل کیا اور جسے آپ آئندہ صفحات پر ملاحظہ کریں گے۔

اب آپ سوال کر سکتے ہیں کہ جناب مفضل ابن عمرؓ کی شخصیت سے یہ جارحانہ رویہ کیوں روا رکھا گیا؟ اس کا سبب وہ روایتی، وراثتی، مسلمان عابد و زاہد تھے جو ظاہری عبادات ہی کو مقصد زندگی سمجھتے تھے۔ ان کے مقابلے میں مفضل ابن عمرؓ جیسا توحید پرست تھا جو فرائض کی بجا آوری اور ظاہری عبادات سرانجام دینے کے ساتھ ساتھ آثار کائنات میں غور وفکر بھی کرتا تھا۔

وہی غور وفکر جس کی دعوت قرآن مجید کی متعدد آیات میں موجود ہے۔" جو لوگ اٹھتے بیٹھتے، کروٹ لیتے (غرض ہر حال میں) اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور آسمان وزمین کی بناوٹ پر غور وفکر کرتے ہیں اور (بے ساختہ) کہتے ہیں کہ اے اللہ (بے شک) تو نے یہ سب کچھ بے سبب پیدا نہیں کیا۔ تو پاک و پاکیزہ ہے۔ سورہ آل عمران آیت:۱۹۱

احادیث کی کتابیں اس غور وفکر کی دعوت سے بھری ہوئی ہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "ایک ساعت کا غور وفکر، ستر سال کی عبادت سے افضل ہے۔"

ایک اور مقام پر آپؐ نے ارشاد فرمایا: "جب ایک عابد جنت کے دروازے پر پہنچے گا تو فرشتے اسے خوش آمدید کہیں گے اور اسے جنت میں لے جایا جائے گا۔ لیکن جب ایک عالم جنت کے

دروازے پر پہنچے گا تو اسے روک لیا جائے گا۔ وہ سوال کرے گا کہ مجھے کیوں روکا گیا؟ تو فرشتے کہیں گے "آپ کو اس لیے روکا گیا ہے کہ آپ جتنے آدمیوں کی چاہیں شفاعت کریں اور انھیں اپنے ساتھ جنت میں لے جائیں۔" (حوالہ: نہج الفصاحت۔ تالیف: ابوالقاسم پائندہ)

امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا: "نہ تو انھوں نے ان (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے انوارِ حکمت سے ضیاء حاصل کی اور نہ روشن علوم کے چقماق کو رگڑ کر نورانی شعلے پیدا کیے۔ یہ تو بس اس معاملے میں چوپائیوں کی طرح ہیں بلکہ اُن سے بھی بدتر" (حوالہ: نہج البلاغہ)

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: "عبادت یہ نہیں ہے کہ کھڑے ہوکر (طویل) نماز پڑھی جائے یا (لمبے لمبے) سجدے کیے جائیں بلکہ عبادت یہ ہے کہ اللہ تعالٰی کی تخلیقات پر فکر و تدبر کیا جائے"۔ (حوالہ: اصول کافی)

جناب مفضل ابن عمرؒ اسی غور و فکر کے عادی تھے۔ اسی لیے ان کے ذہن میں کب، کیوں، کیسے جیسے سوال پیدا ہوتے تھے۔ انھی سوالوں کے جواب حاصل کرنے کے لیے وہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور اپنے علم و عمل اور دیگر خوبیوں کے ساتھ ساتھ خاص طور پر شاید انھی سوالوں کے سبب وہ امام جعفر صادق علیہ السلام کو زیادہ عزیز تھے اور شاید اسی لیے اس زمانے کے بعض زاہد و عابد بزرگ اور ظاہر بین افراد کے باطن میں مفضل ابن عمرؒ جیسے نوجوان کے لیے وہ کیفیت پیدا ہوئی جسے حسد سے قریب تر کہا جاسکتا ہے۔ شاید یہی سبب رہا ہو کہ مفضل ابن عمرؒ جیسے خداپرست کے ساتھ ان کا رویہ بیشتر معاندانہ ہی رہا۔

ایسا کل بھی ہورہا تھا، آج بھی ہورہا ہے اور آیندہ بھی ہوتا رہے گا۔ لیکن مفضل ابن عمرؒ کل بھی علم حاصل کرنے اور اسے پھیلانے میں مصروف تھے، آج بھی کہیں نہ کہیں مصروف عمل ہیں اور آنے والے زمانوں میں بھی مصروف عمل رہیں گے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کی گفتگو کا پس منظر

مفضل ابن عمرؒ کی زبانی

محمد بن سنانؒ روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے مفضل ابن عمرؒ نے بیان کیا:

''میں ایک روز نماز عصر کے بعد مسجد نبوی میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضے کے قریب قبر مبارک اور منبر کے درمیان بیٹھا تھا اور اس بات پر غور کر رہا تھا کہ پروردگارِ عالم نے ہمارے سیّد و سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیا کیا شرف اور فضائل عطا فرمائے، جنھیں امت کے تمام لوگ نہیں جانتے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے مقاصد سے لاعلم ہیں۔ زیادہ تر لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضل و کمال، منزلت و مراتب اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بلند ترین مراتب سے آج بھی ناواقف ہیں۔

ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ ایک دھریہ جس کا نام ابن ابی العوجا تھا، مسجد نبوی میں داخل ہوا اور مجھ سے ذرا فاصلے پر آ کر بیٹھ گیا۔ ذرا دیر گزری تھی کہ اس کے ساتھیوں (اور ہم خیال لوگوں) میں سے ایک اور شخص مسجد نبوی میں داخل ہوا اور ابن ابی العوجا کے قریب ہی آ کر بیٹھ گیا۔ وہ دونوں آپس میں باتیں کرنے لگے۔ گفتگو کا آغاز ابن ابی العوجا نے کیا اور قبر مطہر کی طرف دیکھتے ہوئے اپنے ساتھی سے کہنے لگا۔'' اس صاحب قبر نے بڑی عزت پائی۔ شرف و بزرگی کے تمام حصے اس نے حاصل کر لیے اور تمام حالات میں اس نے بڑا مرتبہ پایا۔''

اس کا ساتھی بولا۔'' ہاں وہ (محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایک فلسفی آدمی تھا۔ اس نے بڑے مرتبے کا دعویٰ کیا اور اس دعوے پر وہ معجزے لایا جنھوں نے عام عقلوں کو حیران کر دیا۔ عقل مندوں نے انہیں سمجھنے کے لیے فکر کے دریاؤں میں غوطے لگائے مگر ناکام ہی رہے۔ پھر جب

عقلاً، فصحاء اور خطباء نے اس کی دعوت کو قبول کر لیا تو تمام لوگ فوج در فوج اس کے دین میں داخل ہونے لگے۔ جن جن شہروں تک اس کی دعوت پہنچی وہاں وہاں کے عبادت خانوں اور مسجدوں میں ناموس اکبر (یعنی خدائے تعالیٰ) کے نام کے ساتھ اس کا نام بھی شامل ہو گیا اور بلند آواز سے پکارا جانے لگا۔ اس میں خشکی کی تخصیص ہے نہ دریا کی، نہ پہاڑی ملکوں کی اور نہ ہموار ملکوں کی۔ یہ بلند آواز سے پکارا جانا بھی صرف ایک مرتبہ نہیں بلکہ ہر شب و روز میں پانچ پانچ مرتبہ۔ اذان و اقامت میں اپنا نام خدا کے نام کے ساتھ اس نے صرف اس لیے ملایا کہ ہر وقت اس کی یاد تازہ ہوتی رہے اور اس کے کام میں خلل اور کمزوری پیدا نہ ہو۔"

ابن ابی العوجا بولا۔ "محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ذکر کو چھوڑ دو۔ اس کے معاملے میں تو میری بھی عقل حیران ہے اور میری فکر کو راستہ نہیں ملتا۔ اب اس پر سوچو کہ کس وجہ سے لوگ جوق در جوق محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے دین میں داخل ہو رہے ہیں؟ یعنی "پروردگار عالم" کے بارے میں بتاؤ کہ آخر وہ بھی کوئی چیز ہے کہ نہیں؟"

مفضل ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد ابن ابی العوجا نے اشیائے عالم کی ابتداء پر بات کرنا شروع کی اور کہنے لگا کہ یہ سب چیزیں کس طرح بنیں۔ اس نے اس بات پر بھی خاص زور دیا کہ یہ سب چیزیں کسی نے نہیں بنائیں۔ ان کا کوئی بنانے والا اور مدبّر و مصلح نہیں بلکہ یہ خود بہ خود پیدا ہو جاتی ہیں۔ ہمیشہ سے ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔ یہ دنیا اسی طرح چلتی آئی ہے اور اسی طرح چلتی رہے گی۔

مفضل ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ ان (یعنی ابن ابی العوجا وغیرہ) کی یہ گستاخانہ گفتگو سن کر میں اپنے غصے پر قابو نہ رکھ سکا۔ میں نے ان کو ڈانٹا اور کہا۔ "اللہ کے دشمنو! اللہ کے دین کا انکار کرتے ہو؟ تم اس ذاتِ خالق کا انکار کرتے ہو جس نے تمھیں اس اچھی صورت پر پیدا کیا اور تمہارا بنیہ قرار دیا (یعنی تمہیں بہترین ساخت پر پیدا کیا) اور تمھیں ایک حال سے دوسرے حال میں منتقل کرتا رہا (یعنی تم نہیں تھے اور پھر ہو گئے۔ پھر بچے سے جوان ہوئے) یہاں تک کہ تم اس حالت

میں پہنچے۔ اگر تم اپنے نفس (وجود) ہی پر غور کرتے اور تمہارا نفیس حاسّہ (یعنی عقل اور ذہن) تمہارے ساتھ صداقت برتتا تو اللہ کی ربوبیت کے آثار اور اس کی خلّاقیت وصناعیت کے دلائل تمہیں اپنے نفس ہی میں موجود نظر آتے اور اس طرح اللہ تعالیٰ کے وجود کے شواہد و براہین تم پر واضح ہو جاتے۔"

ابن ابی العوجا نے بڑے سکون سے جواب دیا۔ "مفضل! دیکھو اگر تم میں اس موضوع پر تفصیل سے بات کرنے کی صلاحیت ہے تو ہم سے بات کرو۔ اگر تمہارے پاس خدا کے ہونے کی کوئی مستحکم دلیل ہوئی تو ہم اسے ضرور مان لیں گے اور اگر تم اہلِ کلام میں سے نہیں ہو تو اس موضوع پر بولنے کا تمہیں کوئی حق نہیں ہے۔

(جیسا کہ ہم جانتے ہیں) تم اگر جعفر صادق کے اصحاب میں سے ہو تو مفضل، ان کا طرز کلام تو ایسا نہیں ہے جیسی گفتگو تم نے کی ہے، ایسی گفتگو وہ نہیں کرتے اور نہ اس طرح کی دلیل پر ہم سے بحث کرتے ہیں۔ انھوں نے ہماری (اس طرح کی) باتیں اس سے بھی زیادہ سنی ہیں جو تم نے سنی ہیں لیکن نہ انھوں نے کبھی غصہ کیا اور نہ جواب دینے میں یہ لب ولہجہ اختیار کیا۔ وہ تو بہت ہی بردبار، باوقار، دانش مند اور پختہ عقل کے انسان ہیں۔ نہ کبھی غصہ کرتے ہیں اور نہ سختی۔ وہ ہماری باتیں بڑی توجہ سے سنتے ہیں اور ہم سے ہمارے عقیدے کے حوالے سے مزید دلائل معلوم کرتے ہیں۔

یہاں تک کہ جب ہم اپنے دلائل مکمل کر لیتے ہیں اور ہمیں یقین ہو جاتا ہے کہ ہم نے انھیں لاجواب کر دیا تو عین اسی وقت وہ ہماری طویل دلیلوں کو اپنے ایک مختصر سے جملے اور ایک چھوٹی سی دلیل کے ذریعے باطل کر دیتے ہیں۔ ہم پر ان کی حجت قائم ہو جاتی ہے۔ وہ ہمارے عذر کو قطع کر دیتے ہیں۔ ہم ان کی مختصری دلیل کا جواب دینے سے بھی خود کو معذور اور بے بس پاتے ہیں۔ ہم ان کے جواب کو رد نہیں کر سکتے (اور ان کا منہ تکتے رہ جاتے ہیں)۔ تو مفضل اگر تم اُن کے اصحاب میں سے ہو تو اس طرح بات کرو" (ورنہ اپنی راہ لو۔)

مفضل ابن عمرؒ بیان کرتے ہیں کہ ان کی باتیں سن کر میں مسجد نبوی سے بہت غم زدہ اور فکر

منہ باہر نکلا کہ دین اسلام اور اہل اسلام اس فرقے (یعنی خدا کو نہ ماننے والوں) کی وجہ سے کیسی مصیبت میں مبتلا ہیں۔ یہ (عجیب) لوگ ہیں کہ اللہ ہی کو نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ سب کچھ خود بہ خود ہی پیدا ہو گیا ہے۔

میں اسی حالت میں اپنے آقا صلواۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؑ نے مجھے اس شکستہ حال میں دیکھا تو فرمایا: "کیا ہوا مفضل!" (خیریت تو ہے)

مفضلؒ کہتے ہیں کہ میں نے ان دہریوں کی جو باتیں سنی تھیں اور جس جس دلیل سے ان کے کلام کو رد کیا تھا، وہ سب تفصیل آقا صلواۃ اللہ علیہ کے سامنے بیان کر دی۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے میری باتیں سن کر مجھ سے فرمایا: (مفضل تم فکر نہ کرو) "میں تمہیں باری تعالیٰ جلّ عــزّ اسمــہٗ کی وہ حکمتیں بتاؤں گا جو تمام عالم اور درندوں، چوپایوں، پرندوں، کیڑے مکوڑوں اور ہر قسم کے جانداروں خواہ وہ حیوان ہوں یا نباتات، پھل دار درختوں، عام پیڑ پودوں، غذا میں استعمال ہونے والی سبزیوں اور دوسرے نباتات میں موجود ہیں۔ میں تمہیں اثباتِ وجودِ خدا پر ایسے مستحکم دلائل کی تعلیم دوں گا اور ایسی باتیں بتاؤں گا جس سے عبرت حاصل کرنے والے سبق حاصل کر سکیں۔ ایمان والوں کے دلوں کو اطمینان قلب حاصل ہو اور اللہ کا انکار کرنے والے حیران و ششدر رہ جائیں۔ تم کل صبح سویرے میرے پاس آ جانا۔"

....

دوسرے دن نماز فجر کے بعد میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ باریابی کی اجازت ملنے کے بعد میں زیارت سے مشرف ہوا اور باادب کھڑا رہا۔ آپ علیہ السلام نے مجھے بیٹھ جانے کا حکم دیا تو میں مؤدب ہو کر بیٹھ گیا۔

....

سائنسی علوم کا آغاز

قارئینِ کرام اِثبات وجود خدا کے حوالے سے امام جعفر صادق علیہ السلام نے پہلی علمی نشست میں جناب مفضل ابن عمرؓ کے سامنے جو دلائل ارشاد فرمائے ہیں توحید مفضل جلد۔ 1 میں آپ ان سے استفادہ کر چکے ہیں۔ اب ہم امام علیہ السلام کے دوسرے لیکچر کو سائنسی تشریحات کے ساتھ آسان زبان میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

اس دوسرے لیکچر میں امام علیہ السلام نے درندوں، چوپایوں، پرندوں، حشرات، آبی ذی حیات اور دوسرے جانوروں کی خلقت اور اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت و مصلحت کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے مفضل ابن عمرؓ کو ایسے حقائق کی جانب متوجہ کیا جن کے بارے میں امام علیہ السلام سے صدیوں پہلے اور صدیوں بعد تک کسی فلسفی، کسی سائنس دان یا ماہر حیاتیات نے غور نہیں کیا تھا۔

یہ پورا لیکچر علم الحیوانات (زولوجی) کے موضوع پر ہے۔ لیکن اس پہلے باب کے آغاز میں امام علیہ السلام نے فزکس کے موضوع پر بھی بات کی ہے۔ ہمیں امید ہے کہ تمام قارئین کے ساتھ ساتھ سائنس کے اساتذہ و طلبہ بھی اس لیکچر کو پوری دلچسپی کے ساتھ پڑھیں گے۔

باب : 1

زمانے کی گردش

مفضل ابن عمرؒ جو امام جعفر صادق علیہ السلام کے بے حد ذہین شاگرد تھے، بیان کرتے ہیں کہ اگلے روز نماز فجر کے بعد میں امام علیہ السلام کی خدمت میں دوبارہ حاضر ہوا۔ آپ علیہ السلام نے مجھے مکان کے اندرونی کمرے میں بٹھایا اور خود سامنے تشریف فرما ہوتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو گردشِ زمانہ کی تدبیر کرنے والا، قرن ہائے دہر کو ایک درجے کے بعد دوسرا درجہ اور ایک عالم (کائنات) بنا کر لانے والا ہے۔ تاکہ بدکاروں کو ان کی برائیوں کا بدلہ دے اور نیکی کرنے والوں کو ان کی نیکیوں کے بدلے (لافانی) نعمتیں عطا فرمائے اس لئے کہ وہ عادل ہے۔ اس کے تمام ہی نام مبارک ومقدس ہیں۔ اس کی نعمتیں عظیم ہیں۔ وہ بندوں پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا۔ انسان خود (اُس کی بات نہ مان کر) اپنے نفسوں پہ ظلم کرتے ہیں۔

اس پر خدا کا کلام گواہ ہے کہ جو شخص ایک ذرّے کے برابر نیکی کرے گا تو اسے اس کا بدلہ دیا جائے گا اور جو ذرّہ برابر بدی کرے گا تو وہ اس کا بدلہ پائے گا۔ سید عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا ہے: ''تمہارے اعمال ہی تم کو واپس کردیے جائیں گے۔''

مفضل! قرآنِ مجید میں تمام چیزوں کی تفصیل موجود ہے۔ جھوٹ نہ اس کے سامنے آ سکتا ہے اور نہ اس کے پیچھے اس لئے کہ یہ قرآن حکیم، اللہ جل شانہ کی جانب سے نازل کردہ کتاب ہے"۔

یہ ارشاد فرمانے کے بعد امام علیہ السلام نے ذرا دیر کو سر جھکایا اور ایک وقفے کے بعد دوبارہ گویا ہوئے۔

"مفضل! بات دراصل یہ ہے کہ یہ لوگ (اللہ کے وجود کا انکار کرنے والے) حیران و پریشان ہیں، ندھے ہیں اور اپنی ضد اور سرکشی کے سمندر میں غوطے کھا رہے ہیں۔ یہ لوگ شیطانوں اور شیطان جیسے انسانوں کی پیروی کرتے ہیں۔ ان کی آنکھیں تو ہیں مگر انہیں کچھ نظر نہیں آتا۔ زبان رکھتے ہیں لیکن اعترافِ حق کے معاملے میں گونگے ہیں۔ ان کے کان ہیں لیکن یہ بہرے ہیں۔ بس اپنی پستی و ذلت آمیز زندگی میں خوش ہیں۔ یہ اپنی دانست میں سمجھتے ہیں کہ ہم ہدایت پا گئے اگرچہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔

یہ لوگ گندے اور نجس لوگوں کے سبزے کو چرتے ہیں، یعنی ان لوگوں کی باتوں کو قبول کرتے ہیں جو ایک احمقانہ نظریے کی تبلیغ کرتے ہیں کہ عالم (کائنات) کی تمام چیزیں خود بہ خود

پیدا ہوگئی ہیں۔ان کے خیال میں سارا کام طبیعت (نیچر) کرتی ہیں۔ استغفراللہ ....لگتا ہے جیسے انہیں موت کبھی آئے گی ہی نہیں۔ یہ ظلم کی سزا سے خودکو محفوظ سمجھتے ہیں۔

کس قدر بدبخت ہیں یہ لوگ اور ان کا رنج اور تکلیف کس قدر طولانی ہوگی، اس کا انہیں اندازہ ہی نہیں ہے۔ان کا عذاب کس قدر سخت ہوگا قیامت کے دن' جب کوئی دوست کسی دوست کے کام نہیں آسکے گا اور نہ ان لوگوں کی کوئی مدد کی جائے گی۔سوائے ان کے جو توبہ کریں اور اس پر قائم رہیں اور اللہ ان پر رحم فرمائے۔"

مفضل ابن عمرؓ کہتے ہیں یہ کلام سن کر میں رونے لگا۔امام علیہ السلام نے میری طرف دیکھا اور مجھے دلاسہ دیتے ہوئے فرمایا۔"تم نہ روؤ....تم تو بچ گئے کہ تم نے حق کو قبول کیا اور حق کی معرفت حاصل کر کے نجات پا گئے۔"

نوٹ: وقت اور زمانے کا آغاز

امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنی گفتگو کا آغاز حسب معمول اللہ رب العالمین کی حمد وثنا سے فرمایا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ گردش زمانہ کی تدبیر کرنے والا ، قرن ہائے دہر کو ایک درجے کے بعد دوسرے درجے اور ایک عالم بنا کر لانے والا ہے۔امامؑ کے اس کلام میں جس قدر علمی راز پوشیدہ ہیں کہ ان سب کا احاطہ کرنا ہمارے لئے ممکن نہیں ہے صرف کسی ایک ہی جملے پر ایک کتاب لکھی جائے تو وہ بھی اس جملے کی وضاحت کے لیے ناکافی ہوگی۔البتہ اس باب میں ہم امام علیہ السلام کے ان ارشادات کی گہرائیوں کو فلکیاتی سائنس کی مدد سے مختصراً اپنے قارئین تک پہنچانا چاہیں گے۔

وقت اور زمانے کا آغاز کب ہوا، اس کی اصل حقیقت تو خالق کائنات ہی جانتا ہے لیکن اس حوالے سے جدید سائنسی دور میں سائنس دانوں اور ماہرین فلکیات نے ریاضی، طاقتور دوربینوں، مصنوعی سیارچوں، خلاء میں تیرتی ہوئی ہبل ٹیلی اسکوپ، جدید ترین کمپیوٹرز، سائنسی آلات، اور کئی صدیوں کی مسلسل تحقیق وجستجو کے بعد جو کچھ معلوم کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ آج سے 13 سے 15 ارب سال پہلے نہ وقت تھا، نہ زمانہ۔ نہ کوئی خلاء، نہ ستارے نہ سیارے اور کہکشائیں، نہ سمتیں، نہ اطراف۔ یہ سب چیزیں ایک عظیم دھماکے (Big Bang) کے لاکھوں کھربوں سال، کے بعد بتدریج وجود میں آئیں۔

سائنس دانوں کے مطابق اس وقت جو یہ ایک لامحدود کائنات ہمارے اردگرد موجود ہے اس کی وسعت کا اندازہ اس طرح لگایا جاسکتا ہے کہ ملکی وے (دودھیا کہکشاں) جس میں سو ارب ستارے موجود ہیں، یہ اس قدر وسیع وعریض ہے کہ اگر آپ اس کی لمبائی میں ایک سرے سے دوسرے تک سفر کرنا چاہیں اور روشنی کی رفتار (تین لاکھ کلومیٹر فی سیکنڈ) سے سفر کرسکیں تو اس کے دوسرے سرے تک پہنچنے میں آپ کو ایک لاکھ سال گزر جائیں گے۔ فزکس کے ماہرین کے مطابق جب آپ روشنی کی رفتار سے سفر کریں گے تو چند سیکنڈ بعد ہی مادّے سے توانائی میں تبدیل ہو جائیں گے۔ اگر آپ اس کہکشاں کی چوڑائی میں سفر کرنا چاہیں تو روشنی کی رفتار سے سفر کرنے کی صورت میں آپ کو دس ہزار سال تک سفر کرنا پڑے گا، تب جا کر آپ اس سے باہر نکل سکیں گے۔

ہمارا نظام شمسی اس کہکشاں کے ایک بیرونی کنارے پر واقع ہے اور اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے صحرا میں ریت کا ایک ذرہ۔ سائنس دانوں کے مطابق اس نظر آنے والی کائنات میں ایسی یا اس سے بڑی کم از کم سو ٹریلین کہکشائیں موجود ہیں اور جتنی دیر میں آپ نے یہ پیراگراف پڑھا ہے اتنی دیر میں یہ کہکشائیں ایک دوسرے سے لاکھوں میل دور جا چکی ہوں گی یعنی کائنات مزید پھیل چکی ہوگی۔

بگ بینگ یعنی عظیم دھماکا

سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ اس کائنات کے وجود میں آنے سے پہلے مادہ اور توانائی ایک چکوترے جتنی جگہ میں کہیں موجود تھی لیکن اس کا وزن اتنا ہی تھا جتنا کہ اس وقت پوری کائنات کا وزن ہے۔13 سے 15 ارب سال پہلے نامعلوم اسباب کی بناء پر ایک عظیم دھماکا (Big Bang) ہوا۔ اس کے بعد کائنات نے مادے اور توانائی کی صورت میں پھیلنا شروع کیا۔ پہلے گیس کے عظیم بادل وجود میں آئے۔ ان بادلوں میں کشش ثقل پیدا ہوئی اور کائنات وجود میں آنا شروع ہوئی۔

پھر کروڑوں اربوں سال میں چھ مراحل سے گزر کر اس مادے اور توانائی نے گیس کے بادلوں، ستاروں، کہکشاؤں اور سپر کہکشاؤں کے جھرمٹوں کی شکل اختیاری کرلی۔ اس طرح ایک کائنات عدم سے وجود میں آگئی۔ یہ وہ عالم (کائنات) ہے جس کی طرف امام علیہ السلام نے اشارہ فرمایا تھا۔

ہمارا نظام شمسی یعنی سورج اور اس کے نو سیارے لاکھوں، کروڑوں سال کے بعد پیدا ہوئے۔ اس مرحلے کے مکمل ہونے کے بعد کائنات اور نظام شمسی میں وقت اور زمانے کا آغاز ہوا۔ پہلے کچھ نہیں تھا۔ نہ خلاء نہ سمتیں اور نہ کوئی زمانہ۔

زمانے اور وقت کی تبدیلی

نظامِ شمسی میں وقت اور زمانہ سیاروں کی سورج کے سامنے اپنے محور اور مدار پر حرکت سے وجود میں آتا ہے۔ فزکس اور فلکیات کے طالب علم جانتے ہیں کہ زمین اور دوسرے سیارے اپنے محور (Axil) پر بھی گردش کر رہے ہیں اور سورج کے گرد اپنے مدار (Orbit) پر بھی گھوم رہے ہیں۔ محوری گردش سے زمین کے دن رات وجود میں آتے ہیں اور سورج کے گرد اپنے مدار (Orbit) پر گردش کرنے سے سال اور پھر صدیاں وجود میں آتی ہیں۔ زمین اپنے محور (Axil) پر 23 گھنٹے اور 56 منٹ میں ایک گردش مکمل کر لیتی ہے جب کہ سورج کے گرد اپنے مدار (Orbit) پر زمین اپنی ایک گردش، 365.25 دن میں مکمل کرتی ہے۔ اسی گردش سے موسم بدلتے ہیں، خزاں بہار، گرمی،

سردی کے موسم آتے ہیں اور سال بدلتے ہیں۔

سورج، جس کے گرد زمین اور باقی سیارے گردش کر رہے ہیں، بظاہر خلاء میں ٹھہرا ہوا لگتا ہے لیکن دراصل سورج بھی دودھیا کہکشاں کے مرکز کے گرد گھوم رہا ہے اور اس کی ایک گردش دو سو پچاس ملین سال میں مکمل ہوگی یا ہوتی ہے۔ (ایک ملین=10 لاکھ سال)

دوسرے سیاروں کے دن رات اور سال

ہمارے لئے ...... یعنی اس کرہ آب یعنی زمین پر رہنے والوں کے لئے دن اور رات 24 گھنٹوں کے ہوتے ہیں اور سال 365 دنوں پر محیط ہوتا ہے۔ اب ایک نظر ڈالتے ہیں کہ دوسرے سیاروں پر وقت گزرنے اور زمانوں کے بدلنے کی رفتار کیا ہے؟

سورج کے گرد سیاروں کی ترتیب اس طرح ہے۔ سورج کے قریب ترین سیارہ عطارد (Murcury) ہے۔ اس کے بعد زہرہ (Venus) پھر ہماری زمین (Earth)۔ زمین کے بعد مریخ (Mars) نامی سیارہ ہے۔ اس کے بعد مشتری (Jupiter) نامی گیسی سیارہ ہے۔ اس کے بعد زحل (Satrun) واقع ہے۔ یہ بھی گیس سے بنا ہوا ہے۔ زحل کے بعد یورانس (Uranus) نامی گیسی سیارہ پایا جاتا ہے۔ یہ گیسی سیارہ ہے لیکن اس کا مرکز (Core) چٹانی ہے اور اس پر گیسوں کے بادل برف کی طرح جمے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد نیپچون (Neptune) کا نمبر آتا ہے۔ یہ نظام شمسی کا سب سے بڑا برفانی سیارہ ہے۔ نظام شمسی کے بالکل آخری سرے پر پلوٹو (Pluto) نامی سیارہ ہے۔ اسے نظام شمسی کی آخری حد مانا جاتا تھا (چند سال پہلے ماہرین فلکیات نے اسے سورج سے انتہائی دور ہونے کی بناء پر نظام شمسی سے خارج کر دیا ہے۔)

اب دیکھتے ہیں کہ ان سیاروں کے دن رات، سال، صدیاں، زمانے اور قرن کس رفتار سے بدلتے ہیں۔ یہاں وقت کی رفتار کیا ہے؟ اور یہ سورج سے کس قدر فاصلے پر واقع ہیں۔ اس کے لئے ہمیں ایک چارٹ کا سہارا لینا پڑے گا۔ واضح کر دیں کہ سیارے کا جو حصہ سورج کے سامنے آتا ہے وہاں دن ہوتا ہے اور جو حصہ سورج کے سامنے نہیں ہوتا وہاں رات ہوتی ہے۔

زمانے کی گردش

سیارہ	ایک دن	ایک سال	سورج سے فاصلہ
۱۔عطارد	59 زمینی دنوں کے برابر	زمین کے 88 دنوں کے برابر	58 ملین کلومیٹر (36 ملین میل)
۲۔زہرہ	243 زمینی دنوں کے برابر	زمین کے 225 دنوں کے برابر	108 ملین کلومیٹر (67 ملین میل)
۳۔زمین	23 گھنٹے 56 منٹ	365.25 دن	150 ملین کلومیٹر (93 ملین میل)
۴۔مریخ	زمین کے 24 گھنٹے 37 منٹ کے برابر	687 زمینی دنوں کے برابر	228 ملین کلومیٹر (142 ملین میل)
۵۔مشتری	زمین کے 10 گھنٹوں کے برابر	زمین کے 12 سال کے برابر	779 ملین کلومیٹر (484 ملین میل)
۶۔زحل	زمین کے 11 گھنٹوں کے برابر	29 زمینی سال کے برابر	1.43 بلین کلومیٹر (888 ملین میل)
۷۔یورانس	زمین کے 17 گھنٹوں کے برابر	84 زمینی سال کے برابر	2.86 بلین کلومیٹر (1.78 بلین میل)
۸۔نیپچون	زمین کے 16 گھنٹوں کے برابر	164 زمینی سال کے برابر	4.49 بلین کلومیٹر (2.79 بلین میل)

کیا مادّہ ذاتی طور پر یہ صلاحیت رکھتا ہے

سائنس دانوں کی تحقیق کے مطابق نظام شمسی آج سے 4.6 بلین (کھرب) سال پہلے وجود میں آیا اور اس وقت سے آج تک یعنی 4.6 بلین (ارب) سال سے اسی نظام الاوقات کے ساتھ حرکت کر رہا ہے اور اسی طرح دن رات، سال وصدیاں اور قرن مسلسل ایک نپے تلے نظام کے تحت بدل رہے ہیں۔ (حوالہ: THE UNIVERSE)

تو کیا مادّے یا نیچر میں اتنی صلاحیت تھی یا ہے کہ وہ کہکشاؤں، ستاروں، سیاروں، خلاؤں، فضاؤں، گیس کے لاکھوں نوری سال پر پھیلے ہوئے بادلوں مثلاً ایگل نیبولا (Eagle Nebula) کو خلق کر سکے؟ کیا بے شعور مادے کے لئے ممکن ہے کہ وہ کائنات میں موجود ان سب کہکشاؤں، ستاروں اور سیاروں کی حرکات کو کنٹرول کر سکے۔ ان کے اندر موجود گیسوں، چٹانوں، توانائی اور مادّے کے اجزاء یعنی پروٹونز، الیکٹرونز، نیوٹرانز اور ان کے مرکزوں (Nuclius) کو ہم آہنگ کرنے کے لئے ایک نظام بنائے اور پھر اسے لاکھوں کھربوں سال تک اس طرح کنٹرول کرے

کہ اس میں کبھی کہیں کسی طرح کی خرابی پیدا نہ ہو۔

کیا مادّے یا نیچر میں اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے نظامِ قدرت کے بغیر ممکن ہے کہ کھربوں ستارے اور سیارے کھرب ہا کھرب سال تک طے شدہ راستوں پر گردش کرتے رہیں اور کوئی ستارہ یا سیارہ دوسرے ستارے یا سیارے سے نہ ٹکرائے۔ آپ دیکھیں کہ انسانوں کے بنائے ہوئے مصنوعی سیارے اکثر زمین پر گرتے رہتے ہیں اور ہوائی جہاز بھی فضا میں ایک دوسرے سے ٹکراتے رہتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا کوئی مچھر بھی کسی تکنیکی خرابی کے سبب کبھی زمین پر نہیں گرتا۔ تو کیا مادّہ انسان سے بڑھ کر "ذہین" ہے۔

مادّہ توانائی رکھتا ہے لیکن بہر حال بے شعور چیز ہے، انسان جو اشرف المخلوقات اور اس زمین پر رہنے والی تمام مخلوقات سے بڑھ کر طاقت، ذہانت، عقل، ارادے اور قدرت کا مالک ہے اس کے لئے اتنا بھی ممکن نہیں کہ وہ دن اور رات کے اندر ایک سیکنڈ کی بھی تبدیلی پیدا کر سکے۔

امام علیہ السلام نے اپنے پہلے لیکچر (توحید مفضّل۔ لیکچر: 1) کے آغاز میں چند جملے ارشاد فرمائے تھے، اب جب کہ ہمارے قارئین اس کائنات اور نظام شمسی کے بارے میں کسی قدر معلومات سے استفادہ کر چکے ہیں تو دل چاہتا ہے کہ ہم آج کی گفتگو کا اختتام، امامؑ کے انھی کلمات پر کریں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا تھا:

> "مفضل! اللہ تعالیٰ جل شانہ کے وجود پر پہلی نشانی، عبرت اور دلیل تو یہی (کافی) ہے کہ انسان غور کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عالم (کائنات) کو کس (حسنِ انتظام) کے ساتھ اس صورت میں خلق کیا۔ اس کے اجزاء (یعنی مادہ، ایٹم، الیکٹران، پروٹون، نیوٹران اور ان کے اندر مزید چھوٹے ذرّات (Quarks) کس

طرح ترکیب وترتیب دیے گئے۔ کس نے، کس طرح ان کے
اندر باہمی تعلق پیدا کیا۔

اگر تم اس جہان (یعنی اس کائنات) اور اس کے نظم وضبط پر غور وفکر
کرو اور اپنی عقل کی مدد سے ہر ایک چیز کو الگ کر کے جاننے
کی کوشش کرو گے تو سمجھ سکو گے کہ یہ عالم (یعنی دنیا اور اس کے اردگرد
یہ عظیم کائنات) ایک ایسے مکان کی مانند ہے جس میں وہ تمام
چیزیں موجود ہیں جن کی بندوں کو ضرورت ہے یا ہو سکتی ہے"۔

باب : 2

حیوانوں کے وجود میں اللہ کی نشانیاں

گزشتہ باب میں ہم نے امام جعفر صادق علیہ السلام کے دوسرے لیکچر کے تمہیدی کلمات کی تشریح آپ کے لئے پیش کی تھی جس میں امام علیہ السلام نے وقت اور زمانوں کے ایک دوسرے کے بعد آنے جانے اور اس سارے عمل پر اللہ تعالیٰ کی قدرت و تصرف کی جانب متوجہ فرمایا تھا۔ اس باب سے امام علیہ السلام کی اس گفتگو کا آغاز ہو رہا ہے جس میں آپ علیہ السلام نے حیوانوں یعنی چوپائیوں، دودھ پلانے والے جانوروں، شکاری درندوں، پرندوں اور کئی حشرات کی ساخت ان کے اعضاء کی بناوٹ اور ان حیوانوں کی زندگی کے بعض پُر اسرار پہلوؤں کی جانب متوجہ فرمایا ہے۔

یہ وہ موضوعات ہیں جن کے بعض پہلوؤں پر آج کے جدید سائنسی زمانے میں بھی بہت کم کام ہوا ہے۔ ہمارے دعوے کی دلیل آپ آئندہ ابواب میں ملاحظہ کریں گے۔

نوٹ: حیوانوں کی اقسام

دنیا بھر میں حیوانوں کی ہزاروں اقسام پائی جاتی ہیں۔ ان اقسام کو دودھ پلانے والے جانوروں، رینگنے والے جانوروں، حشرات، آبی جانداروں، پرندوں اور پانی اور خشکی دونوں جگہ رہنے والے جانداروں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

چوپائے، مویشی اور درندے یہ سب دودھ پلانے والے جانور ہیں۔ دودھ پلانے والے حیوانوں کی اقسام چار ہزار سے زیادہ ہیں۔ ان میں خشکی پر ہاتھی اور سمندری جانوروں میں وہیل سب سے بڑے اور بھاری حیوان ہیں۔

حیوانوں کے اسی گروپ میں ایک ایسا حیوان بھی شامل ہے جو اس کرہ ارض کے وسائل کو سب سے زیادہ استعمال کرتا ہے اور یہاں کے قدرتی حسن اور ماحولیاتی توازن کو بگاڑنے میں

سب سے بڑھ کر کردار ادا کرتا ہے اور اس حیوان کا نام ہے انسان، یعنی میں اور آپ۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے اللہ، وحدہ لاشریک کی عظیم نشانیوں کی طرف متوجہ کرتے ہوئے مفضل ابن عمرؒ سے فرمایا:

"مفضل! میں تمہارے سامنے انسان کے جسم میں موجود اللہ تعالیٰ کی عظیم نشانیوں، اس کی حکمتوں اور مصلحتوں کو بیان کر چکا ہوں۔ اب میں چاہتا ہوں کہ تمہیں حیوانات کے بارے میں کچھ بتاؤں تا کہ تمہیں ان کی جسمانی ساخت، ان کے الگ طرح کے اعضاء، ان کی ضرورتوں اور حیوانوں کے وجود میں اللہ تعالیٰ کی صناعی و حکمت کا حال بھی معلوم ہو سکے"۔

حیوانوں کے جسموں کی ساخت

"مفضل! تم نے بہت سے حیوانوں کو دیکھا ہوگا، ان سے فائدہ بھی اٹھایا ہوگا.... تو ذرا ان کے جسموں کی بناوٹ اور ان کے مختلف اعضاء پر بھی غور کرو۔

دیکھو! ان حیوانوں کے جسموں کو اس طرح بنایا گیا جو اِن کے کھانے پینے، بھاگنے دوڑنے، افزائشِ نسل اور ان سے جو فوائد انسان کو حاصل ہوتے ہیں اس کے عین مطابق ہیں۔

تم دیکھو گے کہ ان کے جسم نہ تو پتھر کی طرح سخت ہیں اور نہ ضرورت سے زیادہ نرم۔ اس لئے کہ اگر یہ پتھر کی طرح سخت

ہوتے تو ان کے لئے چلنا پھرنا، اٹھنا بیٹھنا، گردن کو گھمانا اور
جسموں کو موڑنا مشکل ہو جاتا۔

اسی طرح اگر ان کے جسم بالکل نرم (اور لجلجے) ہوتے تو بھی ان
کے لئے کھڑا ہونا اور چلنا پھرنا مشکل ہو جاتا۔ اسی لئے ان کے جسم
خاص حد تک نرم اور ایک خاص حد تک سخت گوشت سے بنائے گئے۔

اسی وجہ سے حیوان (مثلاً گائے بکری، چیتے، اونٹ وغیرہ)
بہ آسانی مڑ سکتے ہیں، دوہرے ہو سکتے ہیں۔ اپنے پیروں یا
گردن کو مختلف زاویوں پر حرکت دے سکتے ہیں۔

ان حیوانوں کو اس طرح بنایا گیا کہ ان کے جسموں کے
اندرونی حصوں میں سخت ہڈیوں کا ڈھانچا (Skeleton) قائم
کیا گیا۔ ان ہڈیوں پر گوشت کے بنے ہوئے پٹھے (Muscles)
ہیں۔ (پٹھوں اور گوشت کے اندر خون کی نالیاں ہیں)۔ ان پٹھوں اور
رگوں کو جھلی کی پٹیوں (Liqaments) نے ہڈیوں پر باندھ رکھا
ہے۔ ان ہڈیوں اور پٹھوں (Muscles) کے اوپر ایک جلد
(کھال) قائم کی گئی ہے جو پورے بدن پر پھیلی ہوئی ہے"۔

نوٹ: حیوانوں کا ڈھانچا

حیوانوں کا ڈھانچا ہڈیوں سے بنا ہوتا ہے اور جسم کے لئے ایک مضبوط فریم کا کام کرتا ہے
جس کے اردگرد پورے جسم کی تعمیر ہوتی ہے۔ ڈھانچے ہی کی وجہ سے جسم کو ایک خاص شکل حاصل

ہوتی ہے اور اسی کے سبب انسان اور دودھ پلانے والے دوسرے حیوان کھڑے ہونے، چلنے پھرنے، کام کرنے، بھاگنے دوڑنے کے قابل ہوتے ہیں۔

ہڈیوں کا یہ ڈھانچا بچے کی پیدائش سے پہلے تیار ہو چکا ہوتا ہے لیکن اس وقت یہ ڈھانچا پلاسٹک جیسے ایک مادے کارٹی لیج (Cartilage) سے بنا ہوتا ہے۔ یہ مادہ مضبوط اور لچک دار ہوتا ہے لیکن یہ بھاری وزن کو برداشت کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اسی لئے بچہ پیدا ہونے کے بعد جب بتدریج بڑا ہوتا ہے اور طرح طرح کی غذائیں استعمال کرتا ہے تو کارٹی لیج نامی یہ مادہ غذا کے ساتھ آنے والی معدنیات اور نمکیات کو اپنے اندر جذب کرنے لگتا ہے۔ سخت اور مضبوط ہڈی میں تبدیل ہوتا جاتا ہے اس طرح نشوونما کے عمل کے دوران ہڈیاں نہ صرف بڑھتی ہیں بلکہ اس قدر مضبوط ہو جاتی ہیں کہ جسم کے پورے وزن کو سنبھال سکیں۔ ہڈیوں کی نشوونما کے اس عمل کو کیلسی فکیشن کہا جاتا ہے۔ (انسانوں میں یہ عمل پیدا ہونے کے بعد سے 21 سال تک جاری رہتا ہے۔ اس عمر کے بعد ہڈیوں کا مزید بڑھنا رک جاتا ہے)۔

جسم کے پٹھے، جوڑ اور حرکت

پٹھے جسم کا وہ عضو ہیں جو تمام اعضاء کی حرکت کے ذمے دار ہیں۔ جسم کا سب سے بڑا پٹھا ہماری ٹانگوں میں ہوتا ہے اور اتنا مضبوط ہوتا ہے کہ ہمارے جسم کے وزن کو سنبھالتے ہوئے ہمیں چلنے پھرنے بھاگنے دوڑنے میں بھرپور مدد دیتا ہے۔

جسم کے سب سے چھوٹے پٹھے آنکھوں میں ہوتے ہیں اور اتنے چھوٹے ہوتے ہیں کہ آپ ان کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

وہ پٹھے جو ہاتھوں اور پیروں یا کئی دوسرے اعضاء میں ہوتے ہیں ان پر آپ کا اپنا کنٹرول ہے۔ انہیں آپ اپنی مرضی سے حرکت دے سکتے ہیں۔ لیکن جسم کے بہت سے پٹھے ایسے ہوتے ہیں جن پر آپ کا قطعی کوئی کنٹرول نہیں ہوتا۔ یہ خودکار انداز میں کام کرتے ہیں، خود بہ خود حرکت کرتے ہیں۔ ان کی کارکردگی کا آپ کو پتا بھی نہیں چلتا۔ مثلاً دل کو دھڑکانے والے اور سانس لینے

یا گفتگو کے دوران پھیپھڑوں کو دبانے والے پٹھے یا غذا کی نالی کے پٹھے جو غذا کو تھوڑا تھوڑا کر کے آپ کے معدے تک پہنچاتے ہیں۔ یہ تمام پٹھے خودکار انداز میں کام کرتے ہیں۔

خود ان پٹھوں کی حرکات دماغ کے تابع ہوتی ہیں اور یہ اعصابی نظام کے ذریعے دماغ سے آنے والے احکامات کے مطابق حرکت کرتے ہیں۔ ان احکامات کے مطابق موٹر نیوران (Moter Neurons) نامی خلیے دماغ کے حکم پر جسم کے مختلف پٹھوں کو حرکت میں لاتے ہیں۔

ہاتھوں پیروں اور ان کی انگلیوں کے جوڑوں کی حرکت کے لئے جسم کے پٹھے خاص قسم کی ڈوریوں کو استعمال کرتے ہیں۔ ان سخت ڈوریوں کو آپ اپنی کلائیوں پر جہاں نبض چیک کی جاتی ہے، دبانے سے محسوس کرتے ہیں اور ہتھیلی کے اوپری حصے پر بھی۔ ان ڈوریوں کو سائنسی زبان میں ٹین ڈنز (Tendons) کہا جاتا ہے۔

دوسرے حیوانوں میں بھی پٹھے اسی طرح کام کرتے ہیں۔ کٹ پتلیوں کی مثال میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے انھی ڈوریوں یعنی Tendons کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

کٹھ پتلی کی مثال

امام علیہ السلام نے فرمایا:

"مفضل! اس بات کو ایک مثال سے سمجھو۔ کٹھ پتلیاں تو تم نے دیکھی ہوں گے جو لکڑی سے بنائی جاتی ہیں۔ پھر ان پر کپڑا چڑھایا جاتا ہے۔ اس کپڑے کو چمکانے کے لئے اس پر گوند لگایا جاتا ہے اور ان کے ہاتھ پیروں اور گردن وغیرہ کو ڈوریوں کے ذریعے حرکت دی جاتی ہے۔

تو لکڑیوں کو تو تم ہڈیاں تصور کرو، کپڑوں کو گوشت سمجھو اور ڈوریوں کو پٹھے اور رگیں اور چمکانے والے گوند (یا وارنش) کو جلد

تصور کرو۔

اب تم دیکھو کہ ان مُردہ کٹ پتلیوں کو بھی کوئی بناتا ہے۔ کیا ایسا ممکن ہے کہ لکڑی کی بے جان کٹ پتلیاں خود بہ خود بن جائیں؟ ظاہر ہے کہ ایسا ہونا کسی طور ممکن نہیں ہے۔

تو جب یہ بے جان کٹ پتلیاں خود بہ خود نہیں بن سکتیں تو چلتے پھرتے ذی حیات، یہ حیوانات کس طرح خود بہ خود بن سکتے ہیں۔ (تمہاری عقل خود اس بات کی گواہی دے گی کہ ان حیوانات کا کوئی خالق ہے جس نے انہیں اس طرح بنایا کہ یہ اپنی غرضِ خلقت کو پورا کر سکیں۔)

حیوانوں اور انسانوں میں فرق

امام علیہ السلام نے فرمایا:

"حیوانوں کو بھی آدمیوں ہی کی طرح گوشت، ہڈی اور پٹھوں وغیرہ کے ساتھ پیدا کیا گیا اور انہیں بھی ان کی ضروریات زندگی کے مطابق وہی اعضاء دیے گئے جو انسانوں کو دیے گئے ہیں۔ مثلاً (دماغ، دل، پھیپھڑے) آنکھیں کان (منہ، زبان، معدہ) وغیرہ۔ تاکہ انسان ان چوپایوں سے اپنی ضرورت پوری کر سکے۔ اس کے برعکس اگر ان چوپائیوں کو آنکھیں نہ دی جاتیں یا ان کے کان نہ ہوتے تو یہ جانور اندھے بہرے ہوتے۔ ایسی صورت میں انسان ان حیوانوں سے کس طرح

فائدہ اٹھاتا۔ یہ انسانوں کے کام ہی نہیں آسکتے تھے۔

پھر یہ کہ انہیں (انسان جیسا) دماغ اور عقل نہیں دی گئی تاکہ یہ (انسان کا مقابلہ نہ کریں بلکہ) انسان کے فرماں بردار رہیں۔ ان پر بوجھ لادا جائے یا کوئی اور کام لیا جائے تو یہ سرکشی نہ کریں۔

اب یہاں تم کہہ سکتے ہو مفضل کہ انسان کے غلام (نوکر چاکر مزدور) بھی ہوتے ہیں اور یہ صاحبِ عقل ہونے کے باوجود انسان کی اطاعت کرتے ہیں۔ ان سے محنت و مشقت کے کام بھی لئے جاتے ہیں اور یہ خوشی خوشی سارے کام کرتے ہیں۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ انسانوں میں اس قدر فرماں برداری کم ہی ہوتی ہے اور اگر کوئی انسان اتنا مطیع و فرماں بردار ہو تو بھی اسے بہکایا اور گمراہ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن حیوانات کو بہکانا یا انہیں کسی کے خلاف بھڑکانا، کسی طور ممکن نہیں ہے"۔

نوٹ: غلاموں اور حیوانوں میں فرق

غلاموں کی بغاوت کے واقعات تاریخ میں کثرت سے موجود ہیں۔ کئی بادشاہ اپنے ہی غلاموں کے ہاتھوں سے قتل ہوئے۔ آج بھی اخبارات میں اس طرح کی خبریں آتی رہتی ہیں۔ آج بھی ملازمین جو گھروں میں نوکری کرتے ہیں اکثر اپنے مالکان کو قتل کر دیتے ہیں۔

اس کے علاوہ بار برداری، کھیتی باڑی اور دوسرے کاموں میں جس قدر کام حیوانات کر سکتے ہیں وہ کام انسانوں کے لئے کرنا بہت زیادہ مشکل ہے۔ مثلاً ایک اونٹ جس قدر وزن اٹھا کر دور دراز کا سفر کر سکتا ہے اس قدر وزن اٹھانے کے لئے بہت سے آدمیوں کی ضرورت پڑے گی۔ اسی

طرح سخت زمینوں پر اپنی طاقت سے ہل چلانا، انسان کے لئے ممکن نہیں ہے۔

لیکن بیلوں میں اتنی طاقت ہوتی ہے کہ وہ سخت زمین کا سینہ آسانی سے چیر سکیں۔ گدھے، گھوڑے، خچر پہاڑوں پر جس قدر سامان اٹھا کر چل سکتے ہیں، اس قدر سامان لے کر پہاڑوں اور اونچے نیچے خطرناک راستوں پر چلنا انسان یا گاڑیوں کے لئے ممکن نہیں ہے۔

انسان دوسرے کام نہ کرسکتا

امام علیہ السلام نے فرمایا:

"پھر یہ بھی مسئلہ ہوتا کہ اگر بار برداری کے یہ مشکل کام انسان کو کرنا پڑتے تو وہ بے شمار دوسرے ضروری کام نہیں کر سکتا تھا۔ نہ وہ صنعت وحرفت، علم وہنر تعمیرات اور بے شمار تخلیقی کاموں کی طرف متوجہ ہو پاتا اور نہ ان کاموں کو سرانجام دے پاتا"۔

حیوانوں کو محدود عقل دی گئی

امام علیہ السلام نے فرمایا:

"اس کے علاوہ وزن اٹھانے اور بار برداری جیسے کاموں سے انسان کو بڑی تھکن ہوتی اور وہ سخت مشکل میں مبتلا ہو جاتا۔ ایسے کاموں کے لئے (اونٹ، گھوڑے، خچر، بیل اور گدھے جیسے) حیوانات کو محدود عقل کے ساتھ پیدا کیا گیا تا کہ یہ انسان کے حکم سے سرتابی نہ کریں (اور انسان ان کاموں سے فارغ ہو کر دوسرے اعلیٰ درجے کے کاموں کو سرانجام دے سکے)۔

باب: 3

تین قسم کے حیوان

گزشتہ باب میں ہم نے آپ کو امام علیہ السلام کے ان ارشادات کی جانب متوجہ کیا تھا جن میں امام علیہ السلام نے حیوانوں کی جسمانی ساخت کے بارے میں بتایا تھا۔ آیئے اب اس علمی نشست کی باتوں کو آگے بڑھاتے ہیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔

''مفضل! دیکھو اگر تم حیوانات کی صرف تین اقسام پر غور کرو تو ان میں تمہیں اللہ کی عظیم نشانیاں نظر آئیں گی۔ تم ان حیوانوں کی ساخت کو دیکھو کہ یہ کس طرح بنے؟ اور ان میں سے ہر ایک کے لئے اس کی مخصوص ساخت یا بناوٹ میں کیا بہتری اور خوبی ہے۔ (خود اس کے لئے بھی اور ماحول اور انسانوں کے لئے بھی)

تین قسم کے حیوان یہ ہیں۔

۱۔ انسان ۲۔ درندے ۳۔ چرندے

(۱) انسان' اس کے کام اور اعضاء

''انسان کے لئے اللہ نے مقدر کر دیا تھا کہ اس کے اندر عقل، ذہانت اور ذکاوت ہوگی اور یہ تخلیقی کام کرے گا۔ مثلاً یہ کھیتی باڑی، صنعت و حرفت، کان کنی، عمارات کی تعمیر، زرگری،

سلائی کڑھائی اور دیگر بے شمار تخلیقی کام سرانجام دے گا۔ اسی لئے تم دیکھو کہ انسانوں کے ہاتھوں کی ہتھیلیاں بڑی اور چوڑی بنائی گئیں۔ آدمی کو موٹی اور مضبوط انگلیاں اور انگوٹھا دیا گیا تاکہ یہ تمام چیزوں (مثلاً اوزاروں) کو اچھی طرح تھام سکے"۔

(انسانوں کے جسم کی ساخت اور اس کے فوائد کے بارے میں امام علیہ السلام اپنے پہلے لیکچر میں تفصیلی روشنی ڈال چکے ہیں اس لئے دوسرے لیکچر میں آپؑ نے انسان کے بارے میں بس اسی قدر ارشاد فرمایا۔)

(۲) درندے اور شکار کرنے والے چوپائے

"اب ہم بات کرتے ہیں درندوں کی۔ یہ گوشت خور جانور ہیں۔ ان کے لئے مقدر کیا گیا کہ ان کی زندگی شکار کے ذریعے بسر ہوگی تو ان کے ہاتھوں' پیروں کی ہتھیلیاں ہلکی اور سمٹنے والی بنائی گئیں ان کے ہاتھوں پیروں میں نوکیلے اور بڑے ناخن اور ایسے پنجے بنائے گئے کہ یہ اپنے شکار کو مضبوطی سے پکڑ سکیں۔ یہ درندے صرف شکار کر سکتے ہیں، صنعت و حرفت کا کوئی کام نہیں کر سکتے"۔

(۳) چرندے۔ گھاس کھانے والے چوپائے

گھاس کھانے والے چرندوں کا کام نہ صنعت و حرفت ہے اور نہ شکار کرنا اس لئے ان میں سے کسی کو کُھر دیے گئے جو انہیں

زمین کی سختی سے محفوظ رکھ سکیں اور چلنے پھرنے، بھاگنے دوڑنے اور شکاری سے جان بچانے کے لئے انہیں تیز رفتاری سے بھاگنے میں مدد دیں۔ کسی چرندے کو گول اور گہرے سُم دیے گئے، کسی کو کُھر عطا کیے گئے۔ یہ دونوں چرندے کے تلوے کی طرح ہوتے ہیں، زمین پر برابر پڑتے ہیں اور بھاگنے اور بار برداری کی صورت میں انسانوں اور ان کے سازوسامان کے وزن کو سنبھالتے ہیں''۔

درندوں کی ساخت کی تشریح

گوشت خور جانوروں اور گھاس کھانے والے جانوروں پر غور کیا جائے تو اگرچہ دونوں دودھ پلانے والے چوپائے ہیں لیکن آپ کو دونوں کے جسموں کی بناوٹ اور ان کے اعضاء میں نمایاں فرق نظر آئے گا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:

''مفضل! شکاری جانوروں (مثلاً شیر، چیتے، بھیڑیے) کی ساخت اور ان کی بناوٹ پر غور کرو۔ تم دیکھو گے کہ شکار کرنے والے جانوروں کو ایسے اعضاء دیے گئے ہیں جو اُن کی ضرورت کے مطابق ہیں۔ مثلاً ان کے دانت سخت، نوکیلے اور تیز ہوتے ہیں۔ ان کے پنجوں کو دیکھو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ پنجوں کے ناخن تیز اور مُڑے ہوئے ہیں۔ اسی طرح ان کا منہ

بڑا اور ان کا دہانہ چوڑا ہے۔ (تاکہ یہ شکار کے گوشت کو چیر پھاڑ کر تیزی سے کھا سکیں)

اللہ تعالٰی نے مقدر کر دیا تھا کہ ان کی زندگی شکار اور گوشت پر بسر ہوگی تو اس نے انہیں ایسے ہتھیار دیے اور ایسے آلات سے ان کی مدد کی جو شکار کرنے کے لئے ضروری ہیں۔

اسی طرح پرندوں میں بھی جو پرندے شکار کرتے ہیں (یا مردہ خور ہیں) ان کی چونچ، گردن اور پنجے ان کے کام کی مناسبت سے بنائے گئے۔ اگر اس طرح کے پنجے اور چونچ، دانہ کھانے والے پرندوں کو دی جاتی تو وہ بھلا کس طرح دانہ چگتے؟ اور اگر درندوں کو نوکیلے پنجوں اور ناخنوں کے بجائے گھاس کھانے والے چوپائیوں جیسے کھر دے دیے جاتے تو وہ کس طرح شکار کو پکڑتے اور کس طرح اپنی غذا حاصل کرتے؟

تو ان دونوں اقسام کے حیوانوں کو وہی چیزیں ملی ہیں جو ان کی زندگی کے لئے ضروری ہیں۔ یعنی ہر جانور کی ساخت اس کی غذا اور اس کے کام کی مناسبت سے ہے"۔

(کیا حیوانوں کی خلقت میں، ان کی زندگی کے لئے ضروری اعضاء کی ساخت میں ان باریکیوں اور مصلحتوں کے بارے میں بے جان و بے شعور مادہ اس قدر اہتمام کر سکتا ہے؟)

چوپایوں کے بچوں کی پرورش

''مفضل! اب ذرا غور کرو ان چوپایوں کے بچوں پر کہ کس طرح اپنی ماؤں کے پیچھے پیچھے خود بہ خود چلتے ہیں''۔

(یعنی ان چھوٹے بچوں کو آخر کس طرح پتا چلتا ہے کہ کون ان کی ماں ہے اور وہی انہیں غذا اور تحفظ فراہم کرے گی۔ انہیں غذا حاصل کرنے کے ذرائع کے بارے میں کس طرح معلوم ہو جاتا ہے۔ غذا حاصل کرنے کا طریقہ انہیں کون سکھاتا ہے)

''تو دیکھو مفضل! چوپایوں کے بچوں کو گود میں اٹھانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ انھیں کسی تربیت کی بھی ضرورت نہیں ہوتی'' (اس لیے کہ یہ اپنی محدود ذمہ داریوں اور ان کے سرانجام دینے کا طریقہ سیکھ کر آتے ہیں)

''انسانوں کے بچوں کو گود میں اٹھانا پڑتا ہے، ان کی ہر وقت دیکھ بھال کی جاتی ہے اور پھر یہ بتدریج تربیت و تعلیم حاصل کرتے ہیں، جبکہ چوپائیوں کے بچوں میں ایسا نہیں ہوتا، اس لئے ان بچوں کی ماؤں کے پاس وہ آلات (اعضاء و جوارح) نہیں ہوتے جس طرح کے اعضاء انسانوں کے بچوں کی ماؤں کے پاس ہوتے ہیں''۔

انسان کے بچوں کی مائیں لطف و محبت رکھتی ہیں۔ پرورش کرنا جانتی ہیں اور بچوں کو اپنے ہاتھوں سے گود میں اٹھا سکتی ہیں، انہیں

دودھ پلاسکتی ہیں۔ چوپایوں کے بچوں کی مائیں اس طرح کے (ترقی یافتہ) اعضاء و جوارح نہیں رکھتیں تو ان کے بچوں کے لئے اس حکیم مطلق نے طے کیا کہ وہ ماؤں کے ساتھ ساتھ چلیں اور خود ہی اپنے سارے کام کریں"۔

پرندوں کے بچے، تعداد اور ان کی پرورش

"مفضل! اسی طرح کا معاملہ تم کئی طرح کے پرندوں میں بھی پاؤ گے کہ ان کے بچے پیدا ہوتے ہی خود اپنے کام کرنے لگتے ہیں۔ مثلاً مرغی، تیتر، بیٹر اور بطخ کے بچوں کو تم نے دیکھا ہوگا کہ یہ انڈوں سے نکلتے ہی بھاگنا دوڑنا اور دانہ چگنا شروع کر دیتے ہیں اور خطرہ محسوس کرتے ہیں تو ماؤں کے پروں میں چھپ جاتے ہیں۔

(جن پرندوں کے بچے زیادہ تعداد میں ہوتے ہیں ان میں ماں باپ کو ان بچوں کو شروع ہی سے کھلانا پلانا نہیں پڑتا۔)

کم بچے' زیادہ بچے

امام علیہ السلام نے فرمایا:

اس کے برعکس کئی طرح کے پرندے ایسے ہیں جنہیں اپنے بچوں کو کئی ہفتوں تک خود کھلانا پلانا پڑتا ہے۔ تب جا کے بچے بڑے ہوتے ہیں۔ اس کی مثال کبوتر، چڑیاں طوطے اور دوسرے کئی پرندے ہیں۔ کبوتر کو اس لئے زیادہ بچے نہیں دیئے

گئے بلکہ کبوتروں میں ماں باپ کو بچوں کی بہت زیادہ محبت دی
گئی۔ان کی مائیں خود دانہ چنتی ہیں اور اپنے پوٹوں کو بھر لیتی ہیں
اور بار بار اپنے بچوں کو بھراتی ہیں۔ان بچوں کے لئے دانہ جمع
کرنے کے لئے بار بار اڑتی ہیں، خطرات سے گزرتی ہیں اور
بچوں کو بھرانے میں ہلکان ہو جاتی ہیں۔

اب اگر کبوتر کو بھی ایک ہی بار میں زیادہ بچے دے دیے
جاتے جس طرح مرغی کے بہت سے بچے ہوتے ہیں تو کبوتر
اتنے سارے بچوں کو کس طرح بھراتے؟ اگر ایسا ہوتا تو کبوتر کے
زیادہ تر بچے مر جایا کرتے۔

تو مفضل! ''دیکھو کہ اس لطیف و خبیر اور خالقِ عالم کی حکمت
کا ہر مخلوق کو ایک (خاص) حصہ ملا ہے۔''

نوٹ: حیوانوں کی اقسام کتنی ہیں؟

امام علیہ السلام نے اب تک حیوانوں کی تین اقسام کا تذکرہ فرمایا ہے (ان میں سے پرندوں اور مچھلیوں وغیرہ کا تذکرہ آپ اگلے ابواب میں پڑھیں گے) ان اقسام میں یعنی انسان، درندے اور چرندے یعنی گھاس کھانے والے حیوانات کے بارے میں امام علیہ السلام نے مختصر ارشاد فرمایا۔

جدید سائنسی دور میں علم الحیوانات کے ماہرین نے جانوروں کو دودھ پلانے والے اور دودھ نہ پلانے والے حیوانات میں تقسیم کیا ہے۔ دودھ پلانے والے میملز (Mamals) میں انسان سمیت درندے اور چرندے شامل ہیں اور ایک پرندہ، چمگادڑ بھی جو اپنے بچوں کو دودھ پلاتا ہے۔

حیوانوں کی ان اقسام میں ایک اور طرح سے بھی دو بڑی اقسام ہیں: ریڑھ کی ہڈی رکھنے

والے اور بغیر ریڑھ کی ہڈی والے جانور۔ اسی طرح خشکی کے جانور اور آبی جانور۔ پھر وہ جانور جو خشکی پر بھی رہتے ہیں اور پانی میں بھی زندگی گزارتے ہیں۔ انھیں Amphibians کہا جاتا ہے۔

ان تمام جانوروں کی تقریباً دس لاکھ اقسام کرہ ارض پر اب تک دریافت کی جا چکی ہیں اور ہر سال بہت سی نئی اقسام دریافت ہوتی رہتی ہیں۔ قارئین کی دلچسپی کے لئے ہم ان کا مختصراً حال بیان کرتے ہیں۔

۱۔ بغیر ریڑھ کی ہڈی والے جانور۔ ان کی مثال چیونٹی، تتلی، کیکڑے، جھینگے، شہد کی مکھیاں وغیرہ ہیں۔ اس قسم کے ذی حیات کی کم وبیش 9½ لاکھ اقسام دنیا میں پائی جاتی ہیں۔

۲۔ ریڑھ کی ہڈی رکھنے والے جانور۔ ان میں انسان، چوپائے، درندے، مگرمچھ، سانپ وغیرہ شامل ہیں۔ دنیا میں ان کی اقسام 50 ہزار کے قریب ہیں۔

۳۔ پرندے۔ ان میں بطخ، چڑیاں، کبوتر، طوطے وغیرہ شامل ہیں۔ ان کی تقریباً آٹھ ہزار پانچ سو اقسام پائی جاتی ہیں۔

۴۔ درندے۔ یہ شکاری جانور ہیں، یا مردار خور۔ ان کی بھی ہزاروں اقسام پائی جاتی ہیں۔ ان میں شیر، چیتا، ریچھ لومڑیاں اور گوشت خور پرندوں میں گدھ، عقاب اور آبی جانوروں میں شارک شامل ہیں۔

۵۔ آبی جانور۔ ان میں مچھلیاں اور ہزاروں دوسرے ذی حیات شامل ہیں۔ صرف مچھلی کی اکیس ہزار پانچ سو اقسام دریاؤں اور سمندروں میں پائی جاتی ہیں۔

۶۔ حشرات۔ ان میں مچھر، چیونٹی، مکھیاں، ٹڈیاں وغیرہ شامل ہیں۔ دنیا میں حشرات کی 80 ہزار اقسام پائی جاتی ہیں۔

۷۔ ان کے علاوہ نظر نہ آنے والے ذی حیات ہیں جن میں بیکٹیریا اور وائرس شامل ہیں۔ ان کی بھی بے شمار اقسام ہیں اور ان اقسام میں مسلسل اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

انڈے دینے والے، بچے دینے والے

امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ جن جانوروں کے کان باہر ہوتے ہیں وہ بچے دیتے ہیں اور جن کے کان ظاہر نہیں ہوتے وہ انڈے دیتے ہیں۔ حیران کن بات یہ ہے کہ آسٹریلیا میں دو جانور پائے جاتے ہیں جو انڈے دیتے ہیں اور بچوں کو دودھ پلاتے ہیں۔ یعنی ان میں پرندوں اور چوپایوں کی خصوصیات یکجا ہیں۔ یہ جانور ہیں ڈک بل جسے Platypus بھی کہا جاتا ہے اور چیونٹی خور (Ant eater)۔ یہ دونوں انڈے دیتے ہیں اور بچوں کو دودھ پلاتے ہیں۔ دل چسپ بات یہ ہے کہ ان کے کان بھی پرندوں کی طرح ظاہر نہیں ہوتے۔

باب: 4

حیوانات کے چلنے کا انداز

ہم جانوروں کو روزانہ دیکھتے ہیں لیکن ان کی خلقت، بناوٹ اور ان کے طرز زندگی میں اللہ تعالیٰ کی کس قدر عظیم نشانیاں ہیں اور ہمارے یعنی انسان کے لئے اور مجموعی طور پر اس کرہ ارض کے ماحول کے لئے یہ چرندے، پرندے، درندے، حشرات اور رینگنے والے جانور کیا خدمات سرانجام دیتے ہیں، ان کے بارے میں ہم کم ہی غور کرتے ہیں۔

امام علیہ السلام نے حیوانات کی زندگی کو اللہ تعالیٰ کے وجود کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔

حیوانوں کی ٹانگیں دو یا چار کیوں بنائی گئیں؟

امام جعفر صادق علیہ السلام نے مفضل ابن عمرؓ سے گفتگو کرتے ہوئے درندوں، چرندوں اور پرندوں کی ساخت اور ان کے طرز زندگی کے بارے میں بتایا تھا کہ ان کے بچے کس طرح بڑے ہوتے ہیں اور کس طرح ہر جانور یا پرندے کے لئے اللہ تعالیٰ نے طے کیا ہے کہ ایک وقت میں اس کے کتنے بچے ہوں گے اور اس کا سبب کیا ہے۔

اس کے بعد آپ علیہ السلام نے مفضل ابن عمرؓ سے ایک عجیب سوال کیا۔ آپؑ نے پوچھا۔ مفضل! تم نے کبھی غور کیا کہ حیوانات کی ٹانگیں یا پیر جفت کیوں بنائے گئے؟

(مثلاً چوپایوں کی چار ٹانگیں یا پاؤں ہوتے ہیں اور پرندوں کے دو پاؤں ہوتے ہیں۔ امام کے سوال کا مطلب یہ ہے کہ حیوانات کے پاؤں جوڑوں کی شکل میں کیوں ہیں۔ ایسا کیوں نہیں ہوا کہ حیوانات کے پاؤں ایک، تین یا سات ہوا کرتے؟)

مفضل ابن عمرؓ خاموش رہے۔

انہوں نے امام علیہ السلام کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''دیکھو اگر حیوانات کی ٹانگیں جفت کے بجائے طاق (یعنی ایک، تین یا سات) ہوا کرتیں تو حیوانات کے لئے چلنا پھرنا مشکل ہو جاتا اور یہ ان کی ضرورت کے مطابق نہ ہوتیں۔

تم دیکھتے ہی ہو کہ جانور اپنا ایک پاؤں اٹھاتے ہیں اور دوسرے کو زمین پر رکھتے ہیں تا کہ ان کے جسم کا توازن برقرار رہے۔ دو ٹانگوں والے (مثلاً انسان یا پرندے) ایک پیر کو اٹھا کر دوسرے پر ٹھہرتے ہیں اور چار ٹانگوں والے حیوان اپنی دو ٹانگوں کو اٹھاتے ہیں اور دو کو زمین پر ٹکاتے ہیں۔

چوپایوں میں ایسا دو رخ سے ہوتا ہے۔ یعنی وہ چلتے وقت ایک ٹانگ ایک سمت کی اور ایک ٹانگ دوسرے سمت کی اٹھاتے ہیں، ساتھ ہی ایک ٹانگ ایک سمت کی اور دوسری ٹانگ دوسرے سمت کی زمین پر ٹکاتے ہیں تا کہ جسم کا توازن برقرار رکھ سکیں۔ اگر وہ دو ٹانگیں ایک ہی سمت کی اٹھاتے تو اپنا توازن برقرار نہیں رکھ سکتے تھے۔ بالکل اسی طرح جیسے تخت یا چارپائی صرف دو پایوں پر نہیں ٹک سکتی۔

تو ان چوپائیوں کا طریقہ یہ ہے کہ یہ دائیں سمت کی اگلی ٹانگ اٹھاتے ہیں اور بائیں سمت کی پچھلی ٹانگ کو اٹھاتے ہیں۔ ایسا وہ چلتے یا بھاگتے وقت کرتے ہیں ورنہ چار پیروں پر کھڑے رہتے ہیں''۔

چوپایوں کو اطاعت گزار کیوں بنایا گیا؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

مفضل! غور کرو کہ بعض چوپائے (مویشی) انسان کے اطاعت گزار کیوں ہیں جب کہ بہت سے چوپائے (مثلاً درندے) اس کے برعکس ہیں۔ تم دیکھو تو! اس میں اللہ تعالیٰ کی کیا کیا حکمتیں اور انسان کے لئے کس قدر فوائد پوشیدہ ہیں۔

مثلاً اگر بھیڑ، بکری، گائے بیل، گدھے اور گھوڑے یا اونٹ بھی درندوں کی سی صفات رکھتے اور انسانوں پر حملہ آور ہو جایا کرتے تو کیا ہوتا؟

تم نے گدھے کو وزن اٹھا کر چلتے دیکھا ہوگا۔ یہ جانور کس قدر فرماں برداری کے ساتھ بار برداری کا کام کرتا ہے۔ خچر، گدھے سے بھی زیادہ وزن اٹھا کر چل سکتا ہے۔ اونٹ کی مثال لے لو۔ کس قدر زیادہ وزن اٹھاتا ہے اور اسے دور دراز کے علاقوں تک لے جاتا ہے۔ بے چون و چرا کئی من وزن اٹھا کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اتنی طاقت ہونے کے باوجود وہ ایک بچے کی بھی اطاعت کرتا ہے۔ تم سوچو کہ اگر اونٹ اسی قدر اطاعت گزار نہ ہوتا، مالک کا کہنا نہ مانتا، انسان سے بغاوت کرتا تو کیا ہوتا۔ کیا انسان اونٹ کا مقابلہ کر سکتا تھا؟ اور بیل کو دیکھو! مالک کی کس قدر

اطاعت کرتا ہے۔ ہل کا وزن اٹھا کر سخت زمین کو چیر دیتا ہے۔

اسی طرح شریف النسل گھوڑے کی مثال ہے۔ یہ میدان جنگ میں تیروں، تلواروں اور نیزوں سے نہیں گھبراتا بلکہ مالک کے ایک ہلکے سے اشارے پر دشمنوں کی صفوں میں گھس جاتا ہے۔

بھیڑوں کے گلّے کو دیکھو۔ ایک گلے میں کتنی بھیڑیں ہوتی ہیں لیکن صرف ایک آدمی انہیں چرا لیتا ہے۔ اگر بھیڑیں انسان کی اطاعت نہ کرتیں تو ہر بھیڑ ایک الگ سمت کو بھاگتی اور انہیں قابو میں کرنے کے لئے بہت سے آدمیوں کی ضرورت پڑتی۔

اسی طرح دوسرے چوپائیوں (مویشیوں یا کتوں وغیرہ) کا معاملہ ہے۔ انہیں انسان کے لئے مسخر کر دیا گیا ہے۔ (تاکہ انسان ان سے فوائد حاصل کر سکیں)

مفضل کبھی تم نے غور کیا کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ یہ چوپائے کیوں انسان کی اطاعت کرتے ہیں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے اندر (انسانوں جیسی) عقل نہیں رکھی گئی۔ ان میں غور و فکر کی قوت نہیں ہے۔ اگر ان کی فطرت اس کے برعکس ہوتی اور یہ عقل و شعور کی طاقت رکھتے اور اپنے کاموں اور اپنی محنت و مشقت پر غور و فکر کرتے تو ہرگز انسان کے فرماں بردار نہ ہوتے۔

"اونٹ ساربان کے حکم کو ماننے سے انکار کر دیتا، بیل اپنے مالک کے قابو میں نہ آتا اور بھیڑیں چرواہے کے قابو سے نکل جایا کرتیں"۔

درندے اگر عقل و شعور کے مالک ہوتے......

"مفضل! یہ تو معاملہ ہوا چرندوں کا۔ اب ذرا درندوں کے بارے میں بھی تصور کرو کہ اگر وہ (انسان جیسی) عقل و شعور کے مالک ہوتے تو انسانوں سے عقل مندوں کی طرح مقابلہ کرتے اور ان سے جھگڑتے۔"

(مثلاً وہ انسانوں سے لڑتے کہ تم ہماری خوراک ہرن، بھیڑ، بکریوں وغیرہ کو کیوں پکڑتے ہو۔ ہمارا حصہ ہمارے حوالے کرو)

"پھر یہ بھی ہوتا کہ درندے مثلاً شیر، چیتے، بھیڑیے، ریچھ وغیرہ بڑے بڑے جتھے بنا کر انسانوں پر حملہ آور ہو جایا کرتے۔ ایسا ہوتا تو انسان کے پاس جان بچانے کی کون سی راہ ہوتی؟

تو مفضل! غور کرو کہ اس طرح کی عقل، درندوں، چرندوں اور پرندوں کو نہیں دی گئی۔ اس کے برعکس یہ سب انسانوں سے ڈرتے ہیں اور ان سے دور دور ہی رہتے ہیں۔ درندے راتوں ہی میں نکلتے ہیں اور شکار کرتے ہیں۔ تم دیکھو کہ یہ درندے کس قدر طاقت ور اور خوں خوار ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود انسانوں سے ڈرتے ہیں۔"

درندوں اور چرندوں کی متضاد صفات

امام علیہ السلام نے فرمایا:

تو کیا چرندوں کی فطرت میں اطاعت اور درندوں کی جبلت میں انسان سے ڈرنا خود بہ خود ہی پیدا ہو گیا؟ ان کی فطرت میں

یہ الگ الگ طرح کی خصلتیں اور خصوصیات کس طرح پیدا ہو گئیں۔ اب تم دیکھو کہ چرندے یعنی مویشی یا بار برداری کے جانور کیونکہ انسان کے کام آتے ہیں تو انھیں اطاعت گزار بنایا گیا۔ درندے ...... یہ براہ راست انسان کے کام نہیں آتے تو طاقت و درندگی کے باوجود ان کی فطرت میں انسان سے ڈرنا اور اس سے دور رہنا قرار دیا گیا۔

تو کیا یہ حکمتیں اور مصلحتیں بغیر کسی پیدا کرنے والے کے خود بخود وجود میں آ گئیں؟

کتا، درندہ ہونے کے باوجود انسان کا وفادار

"دیکھو مفضل! تمام درندوں میں سے کتے میں ایک الگ طرح کی خصوصیت بھی رکھی گئی ہے، وہ یہ کہ وہ درندہ ہونے کے باوجود اپنے مالک کا وفادار ہوتا ہے۔ مالک کی حفاظت کرتا ہے۔ گھر کے باہر اور چھتوں پر رات بھر گھومتا رہتا ہے۔ ہر اجنبی پر نظر رکھتا ہے اور اسے دیکھ کر بھونکنے لگتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ دوسرے کتے کو بھی قریب نہیں آنے دیتا۔ مالک اور اس کے مویشیوں کو بچانے کے لئے دوسرے درندوں سے لڑتے ہوئے اپنی جان تک داؤ پر لگا دیتا ہے۔

اس کے پنجے تیز اور نوکیلے ہیں، دانت سخت نوکیلے ہیں اس

کی آواز ڈراؤنی ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ اس لئے کہ اجنبی ڈر جائے اور وہ مالک اور اس کے مال کی حفاظت کر سکے۔

پھر یہی نہیں ۔ کتے کے اندر صبر و ضبط کا مادّہ بھی پایا جاتا ہے۔ یہ بھوک پیاس اور تکلیف پر برداشت کرتا ہے۔ مالک جو کھانے کو دے، وہ کھالیتا ہے لیکن مالک کو چھوڑ کر نہیں جاتا"۔

نوٹ: غور کرنے کی بات

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ کتا بھی ایک درندہ ہے اور چیتا یا ریچھ بھی درندے ہیں لیکن جو خصوصیات کتے کی فطرت میں پیدا کی گئیں، دوسرے درندوں میں ان کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ دوسرے درندوں کو سدھایا جاسکتا ہے لیکن ان میں صبر و برداشت اور وفاداری پیدا نہیں کی جاسکتی۔ تو ایسا کیوں ہوتا ہے؟ کیا دوسرے درندوں اور کتے میں (جو خود بھی ایک درندہ ہے) یہ متضاد صفات خود بہ خود، بے سبب پیدا ہو گئیں۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان تمام حیوانات کا ایک خالق ہے جس نے اپنی مصلحت و مشیت کے مطابق ان حیوانات کو الگ الگ خصوصیات کے ساتھ پیدا کیا ہے۔

چوپایوں کے چہرے اور منہ

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

مفضل! ان چوپائیوں (چرندوں، درندوں) کے چہروں کی طرف غور سے دیکھو۔ ان کی آنکھیں سامنے کی طرف لگی ہوئی ہیں تاکہ یہ اپنی راہ کو دیکھ سکیں۔ کسی دیوار، یا درخت سے ٹکرا نہ جائیں، کسی گڑھے میں نہ گر پڑیں۔

ان گھاس کھانے والے حیوانوں کے منہ دیکھو۔انہیں تم انسانوں یا پرندوں کے منہ سے بالکل مختلف پاؤ گے۔ان کے منہ کے دہانے تھوتھنی کے نیچے سے پھٹے ہوئے ہیں (یعنی ان کے منہ دونوں سمتوں سے لمبائی میں پھٹے ہوئے ہیں)۔اگر ان چرندوں کے منہ انسان کے منہ جیسے ہوتے تو ان کے لئے زمین سے کوئی چیز (گھاس، شاخیں وغیرہ) اٹھانا ممکن نہ رہتا۔

تمہیں معلوم ہے کہ آدمی اپنے منہ سے کوئی چیز نہیں اٹھاتا۔ اس لئے کہ اسے اس مقصد کے لئے ہاتھ دیے گئے ہیں۔ یہ انسان پر اللہ کا ایک احسان ہے جو (کامل طور پر) صرف اس پر کیا گیا۔دوسرے (زیادہ تر) حیوان اس سے محروم ہیں۔

چرندوں کے پاس ہاتھ نہیں ہیں (اور انہیں گھاس، جھاڑیوں اور شاخوں کو پکڑنا ہوتا ہے) تو ان چرندوں کے منہ بڑے اور دونوں سمتوں سے پھٹے ہوئے بنائے گئے تا کہ یہ گھاس وغیرہ کو پکڑ سکیں اور اسے آرام سے چبا سکیں''۔

حیوانات کی دُم کے فائدے

''مفضل! تم نے کبھی غور کیا کہ حیوانات کے دُم کیوں بنائی گئی۔اس دُم کے کیا فائدے ہیں؟

دیکھو! دُم کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ یہ حیوانات کے جسم سے

خارج ہونے والے فاضل مادوں کے مقام کے لئے ایک ڈھکنے (Cover) کا کام کرتی ہے۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ مچھر اور مکھیاں ان حیوانوں کے جسم پر آ کر بیٹھتی ہیں۔ اب حیوانات کے ہاتھ تو ہیں نہیں کہ وہ انہیں اڑا سکیں اس لئے یہ جانور اپنی دم کی مدد سے ان مچھر مکھیوں کو اڑاتے رہتے ہیں۔ اس دم کا تیسرا فائدہ یہ ہے کہ حیوانوں کو اپنی دم کے ادھر ادھر ہلاتے رہنے سے ایک خاص طرح کی راحت ملتی ہے۔

یہ جانور ہر وقت چار ٹانگوں پر کھڑے رہتے ہیں۔ انسان کی طرح طرح ان کے پاس دوسرے مشاغل نہیں ہوتے تو یہ اپنی دم کو ہلا کر ایک طرح کی راحت محسوس کرتے ہیں۔"

(چوپائیوں کی دُم اور ان کے کانوں کی حرکات ان کے موڈ کی بھی نشاندہی کرتے ہیں۔ دُم اور کانوں کی مختلف طرح کی حرکات سے ان کے خوف، خوشی اور ان کی مستعدی، چونکنے پن کا بھی پتا چلتا ہے۔)

"مفضل! دُم کے بہت سے دوسرے فائدے بھی ہیں جو انسان کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتے اور اسی وقت معلوم ہوتے ہیں جب یہ تجربے میں آ جائیں۔ مثلاً جانور اکثر دلدل میں پھنس جاتے ہیں تو انہیں کیچڑ اور دلدل سے نکالنے میں دُم سے بڑھ کر کوئی چیز کام نہیں دے سکتی۔ حیوانوں کی دُم کے بالوں کے الگ فوائد ہیں جو انسان اس سے حاصل کرتے ہیں"۔

باب: 5

حیوانات اور ان کا طرز زندگی

امام جعفر صادق علیہ السلام نے آج سے صدیوں پہلے زولوجی (علم الحیوانات) سے متعلق ایسے انکشافات کیے جنہیں کسی حد تک سمجھنے کا آغاز آپؑ کے زمانے سے کم و بیش ہزار سال بعد مغربی دنیا میں ہوا۔ امام علیہ السلام نے اللہ کی ان مخلوقات کے بارے میں یہ بیش قیمت معلومات اثبات وجود خدا کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے اپنے شاگرد مفضّلؒ سے بیان کیں اور اپنے سامنے قلم بند کرائیں۔

گزشتہ باب میں ہم نے امام علیہ السلام کے وہ ارشادات نقل کیے جو آپ نے درندوں، چرندوں اور پرندوں کے جسموں کی بناوٹ اور ان کے طرز زندگی کے بارے میں بیان فرمائے۔ اب ہم اس گفتگو کے اگلے حصے کو قارئین کے لیے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

چوپایوں کی کمر

چوپایوں کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے آپ علیہ السلام نے فرمایا:

"مفضل! ذرا ان چوپائیوں کی کمر کی طرف دیکھو۔ ان کی کمر ہموار اور چار ٹانگوں کے اوپر الٹی بنائی گئی ہے تا کہ ان پر سوار ہونا، درست طریقے پر بیٹھنا اور ان پر بار برداری کا سامان لادنا آسان ہو۔"

(تو ایسا کیوں ہوا؟ اگر ان مخلوقات کا کوئی پیدا کرنے والا نہیں ہے اور اگر مادّے نے انہیں خلق کیا ہے یا فطرت (نیچر) نے ان مخلوقات کو پیدا کیا ہے تو ایک بے جان مادّے اور علم، ارادے

اور قدرت سے محروم طبیعت (نیچر) کیا ان مخلوقات کی ضروریات اور ان سے جو کام لئے جانے تھے، ان کے بارے میں ان کی خلقت سے پہلے ہی علم رکھتی تھی؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

"پھر دیکھو کہ ان چوپایوں کی افزائش نسل کے لئے نر اور مادہ حیوان کو جو اعضاء دیئے گئے وہ ان کے جسموں کی بناوٹ اور طرز زندگی سے کس قدر مناسبت رکھتے ہیں"۔

چوپایوں کے لباس اور جوتے

"مفضل! تم دیکھو کہ انسان ذہین ترین مخلوق ہے۔ یہ تدبیر کرسکتا ہے، اپنی ضروریات کے مطابق مختلف چیزیں بنا سکتا ہے۔ سردی اور گرمی سے بچنے کا انتظام کرسکتا ہے لیکن حیوانات ایسا نہیں کرسکتے کہ وہ اپنے لئے لباس تیار کریں یا جوتے بنائیں جو انہیں موسموں کی شدت اور زمین کی سختی کے اثرات سے محفوظ رکھ سکیں۔

تو اس حکیم مطلق نے ان کے لباس اور جوتے ان کے جسم ہی میں قرار دے دیے۔ تم دیکھو گے کہ حیوانوں کے جسم پر بالوں کا لباس ہوتا ہے۔ اسی طرح پرندوں کے جسم پروں سے ڈھکے ہوتے ہیں تاکہ یہ بال انہیں گرمی، سردی اور دوسری آفتوں سے محفوظ رکھیں اور ان حیوانات کو کُھر، سُم اور خف (یعنی ہاتھی اور

اونٹ جیسے پاؤں) دیئے گئے تاکہ انھیں زمین کی ناہمواری کنکر پتھر اور چبھنے والی چیزوں کے اثرات سے محفوظ رہ سکیں۔

یہ اس لئے کیا گیا کہ ان حیوانات کے نہ تو (انسان جیسے) ہاتھ ہیں نہ انگلیاں اور نہ ایسی ہتھیلیاں جن سے یہ انسان کی طرح کام کرسکیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسا لباس پہنایا جو اِن کی ساخت، بناوٹ اور خلقت کا حصہ ہے اور (یہ لباس) تاحیات برقرار رہتا ہے"۔

نوٹ: جانور اور ماحول

یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ مختلف چوپائیوں اور پرندوں کے جسم کا رُواں، بال اور پَر اُن کے اردگرد کے ماحول اور موسموں کی مناسبت سے کم یا زیادہ ہوتے رہتے ہیں۔ مثلاً برفانی علاقوں کے اونٹوں کے جسم پر زیادہ بال ہوتے ہیں۔ صحرائی علاقوں کے اونٹوں کے جسم پر کم بال پائے جاتے ہیں۔ جنگلی بھینسے، اونٹ اور کئی دوسرے چوپائے گرمیوں کے زمانے میں بال گرا دیتے ہیں یہ بال سردیوں میں دوبارہ نکل آتے ہیں۔ بہت سے پرندے بھی موسم کے حساب سے اپنے پَر گراتے رہتے ہیں۔

اسی طرح برفانی علاقوں کے جانوروں کے جسم پر چربی زیادہ ہوتی ہے جب کہ گرم، علاقوں کے جانوروں کے جسم پر چربی کی مقدار کم پائی جاتی ہے۔ برفانی سمندروں میں پائی جانے والی مچھلیوں کے جسم میں ایک خاص جین (Gene) ہوتی ہے جو انہیں سخت سردیوں میں جم جانے سے محفوظ رکھتی ہے۔ یہ جین (Gene) گرم پانیوں کی مچھلیوں میں نہیں پائی جاتی۔

تو مخلوقات کی خلقت، ان کے ماحول اور موسموں کی مناسبت سے اس قدر باریکیوں کا خیال رکھنا اور ہر جانور کے ماحول، خدمات اور طرزِ زندگی کے مطابق انہیں اعضاء، صلاحیتیں اور

خصوصیات فراہم کرنا خالق کائنات کی ذات، اس کے علم، ارادے، قدرت اور منصوبے کے بغیر کس طرح ممکن ہو سکتا ہے!

انسان اور حیوانوں کے ہاتھ

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"مفضل! دیکھو انسان کو عقل و فہم عطا کی گئی۔ اسے چوڑی ہتھیلیاں، سمٹنے اور کھلنے والی انگلیاں دی گئیں جن کے ذریعے وہ صنعت و حرفت کے کام کرنے پر قادر ہوتا ہے۔ وہ سوت کاتتا ہے، کپڑا تیار کر سکتا ہے اس سے لباس بنا سکتا ہے اور اس لباس کو تبدیل بھی کرتا ہے، یہ ساری مصروفیات انسان کے لئے پیدا کی گئیں، اگر اس کے پاس مختلف کاموں کے کرنے کی مصروفیات نہ ہوتی تو انسان بیکار اور فضول کاموں میں الجھ جاتا۔

(انسان کے لئے بیکاری ایک بڑی مصیبت ہے اور اس سے بے شمار جسمانی نفسیاتی اور روحانی بیماریاں جنم لے سکتی ہیں۔)

جانوروں میں اِدراک

"مفضل! اب ذرا جانوروں کی اس فطرت پر غور کرو جو اللہ تعالیٰ نے ان کی ضروریات کے مطابق ان میں پیدا کی ہے۔ یہ قانون فطرت تمام جانوروں میں پایا جاتا ہے جس کی مدد سے یہ اپنے ماحول میں شکار کر سکتے ہیں، خود کو دشمن سے بچا سکتے ہیں، خود کو ماحول میں چھپا سکتے ہیں اور ماحول اور حالات کے مطابق ردّ

عمل ظاہر کرسکتے ہیں۔

مثلاً گوزن (سانپ کو کھانے والا ایک جانور) سانپ کو پکڑ کر کھا جاتا ہے۔ اس کے بعد اسے سخت پیاس لگنے لگتی ہے۔ وہ تالابوں کے پاس کھڑا رہتا ہے لیکن پانی نہیں پیتا۔ اس لئے کہ اسے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اس نے پانی پی لیا تو سانپ کا زہر اس کے سارے جسم میں پھیل جائے گا۔ وہ پیاس کی شدت سے زور زور سے چیختا رہتا ہے مگر پانی نہیں پیتا۔ اس لئے کہ وہ جانتا ہے، اگر پانی پیا تو وہ مر جائے گا۔

تو دیکھو! کہ اسے سخت پیاس برداشت کرنے کی طاقت کس طرح دی گئی اور اسے کس طرح معلوم ہوا کہ وہ پانی پیئے گا تو مر جائے گا (تجربے سے تو یہ بات وہ سیکھ نہیں سکتا تھا!) اس قدر برداشت تو عقل وفہم رکھنے والے انسان کے لئے بھی بہت مشکل کام ہے۔

لومڑی کو دیکھو! جب اسے کہیں سے خوراک نہیں ملتی تو یہ زمین پر گر کر بے حرکت ہو جاتی ہے اور اپنا پیٹ بھی پھلا لیتی ہے جیسے وہ مر گئی ہو۔ وہ بہت دیر تک اسی طرح بے حس وحرکت زمین پر پڑی رہتی ہے تا کہ مردار خور پرندے اسے مردہ سمجھ کر اس کی طرف آئیں۔ پھر جیسے ہی کوئی پرندہ اسے نوچنے اور کھانے کے لئے اس پر آکر بیٹھتا ہے تو لومڑی اسے پکڑ لیتی ہے اور کھا جاتی ہے۔

دیکھو! لومڑی، شیر یا چیتے وغیرہ کی طرح بڑا شکار نہیں پکڑ سکتی۔ نہ وہ کسی درندے کی طرح شکار کا مقابلہ کر سکتی ہے تو اس روزی دینے والے نے اس جانور کو یہ چالاکیاں سکھائیں تا کہ وہ اپنا پیٹ بھر سکے''۔

نوٹ: لومڑی کو بھی مات

کئی سمندری پرندے پہاڑی میدانوں میں انڈے دیتے ہیں۔ انڈے دینے کے لئے وہ ایسی جگہ منتخب کرتے ہیں جہاں مختلف رنگ کے پتھر بکھرے ہوئے ہوں تا کہ ان کے انڈے ماحول میں یک رنگ ہو کر کسی کو نظر نہ آئیں۔ لومڑی کے لئے یہ انڈے آسان شکار ہوتے ہیں لیکن لومڑی جب اس طرف کا رخ کرتی ہے تو پرندے ہوشیار ہو جاتے ہیں اور لومڑی انڈے سینے والے جس پرندے کی طرف بڑھتی ہے تو وہ پرندہ اپنے ایک بازو کو لٹکا لیتا ہے اور اڑنے کی بجائے میدان میں دوڑنے لگتا ہے۔ وہ ظاہر کرتا ہے جیسے وہ زخمی ہے۔

لومڑی سمجھتی ہے کہ پرندہ زخمی ہے اسے آسانی سے پکڑا جا سکتا ہے۔ وہ انڈوں کو بھول کر پرندے کے پیچھے چل پڑتی ہے۔ پرندہ اسے دھوکا دے کر اپنے انڈوں سے دور لے جاتا ہے اور پھر اچانک آسمان کی طرف پرواز کر جاتا ہے۔ اس طرح پرندہ بھی بچ جاتا ہے اور اس کے انڈے بھی۔

ڈولفن، ایک آبی جانور

امام علیہ السلام نے فرمایا:

''اسی طرح ڈولفن جب کسی پرندے کو شکار کرنا چاہتا ہے تو وہ ایک مچھلی کو پکڑ کر اسے سطح آب کے اوپر کر دیتا ہے اور خود نیچے پانی میں چھپا رہتا ہے اور پانی کو اچھالتا رہتا ہے تا کہ اس کا اپنا

جسم پانی میں چھپا رہے۔ پھر جب کوئی آبی پرندہ اس مچھلی کو اٹھانے کے لئے نیچے آتا ہے تو ڈولفن اس پرندے کو پکڑ لیتا ہے۔

نوٹ: جانوروں میں ادراک اور سائنس دان

امام علیہ السلام نے جانوروں کی عادات واطوار اور ان کی ذہانت کے بارے میں ایک ایسے دور میں مسلمانوں کو متوجہ فرمایا، جس دور میں علم الحیوانات کا وجود ہی نہیں تھا اور نہ ہی لوگ جانوروں کی عادت واطوار یا ان کے اندر موجود ادراک کے حوالے سے غور وفکر کرتے تھے۔

لیکن آج جانوروں کی اہمیت وافادیت اور کرہ ارض کے ماحول کو متوازن رکھنے میں جانوروں کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لئے ساری دنیا میں تحقیقی ادارے قائم ہیں اور بہت سے ٹی وی چینلز صرف اسی کام کے لئے مخصوص ہیں۔ ان ٹی وی چینلز سے وابستہ ماہرین حیاتیات اکثر اپنی ساری زندگی اللہ کی ان مخلوقات کے طرز زندگی کو سمجھنے اور ان کا تحفظ کرنے میں گزار دیتے ہیں۔

لیکن حیران کن بات یہ کہ یہ سائنس دان، ماہرینِ حیاتیات، ریسرچ اسکالرز، کرہ ارض پر پھیلی ہوئی ان ہزاروں اقسام کی مخلوق کی عادات اطوار، ان کی زندگی اور ان کی حیران کن ذہانتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں لیکن ان سب باتوں کو "نیچر" سے منسوب کر دیتے ہیں اور کبھی کسی پروگرام یا کتاب میں وہ کائنات کے خالق اور نیچر کو تخلیق کرنے والے رب کائنات، اللہ جل شانہ کا نام لینا گوارہ نہیں کرتے۔

بہرحال آیئے ایک نظر ڈالتے ہیں جانوروں کے ادراک پر جس کا مشاہدہ ہم ذاتی زندگی میں اور ٹی وی چینلز کی دستاویزی فلموں میں کرتے ہیں۔

بئے کا گھونسلا

بئے نامی یہ پرندے انتہائی محنت ومہارت سے اپنا گھونسلا بناتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے وہ لمبی گھاس کو درمیان سے پھاڑ کر لاتے ہیں۔ وہ گھونسلا بنانے کے لئے پہلے ایک ایسے درخت کا

انتخاب کرتے ہیں جہاں انہیں تحفظ مل سکے۔ اکثر یہ دریا کے کنارے درختوں پر گھونسلا بناتے ہیں اور درخت کی ان شاخوں پر بناتے ہیں جو شاخیں دریا کے اوپر جھکی ہوئی ہوں۔

گھونسلا گھاس کی ہزاروں لمبی لمبی "ڈوریوں" سے بنایا جاتا ہے۔ اس کے لئے بنایا جاتا ہے کے بجائے "بُنا جاتا" ہے کہنا زیادہ مناسب ہے۔ یہ گھونسلے کئی کمروں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ ان کمروں تک پہنچنے کے لئے ایک لمبی تنگ راہداری بنائی جاتی ہے۔ استعمال ہونے والی گھاس اس قدر تیز دھار والی ہوتی ہے کہ سانپ جیسے جانور بھی اس میں گھسنے کی ہمت نہیں کرتے۔

گھاس کا کام ختم ہونے کے بعد یہ پرندے اپنی چونچوں میں دریا کی گیلی مٹی لے کر آتے ہیں اور اس مٹی کو گھونسلے کی اندرونی دیواروں پر لیپتے رہتے ہیں تاکہ ان کے انڈے اور بچے بارش کے پانی سے محفوظ رہ سکیں۔

مچھلی کھانے والا ایک پرندہ

یہ پرندہ جیسے ہی تالاب پر آتا ہے تو مچھلیاں اسے دیکھتے ہی گہرے پانی میں غائب ہو جاتی ہیں۔ اس کا علاج اس پرندے نے یہ نکالا کہ یہ ایک خاص درخت کا ایک پھل لے کر آتا ہے اور تالاب یا جھیل میں گرا دیتا ہے اور خود وہاں سے دور چلا جاتا ہے۔ مچھلیاں اس پھل کی خوشبو کی وجہ سے اوپر آ کر اس پھل کے گرد جمع ہو جاتی ہیں۔ پرندہ اچانک ان پر حملہ کرتا ہے اور مچھلیوں کو پکڑ کر کھا جاتا ہے۔ پیٹ بھرنے کے بعد وہ اس پھل کو اپنی چونچ میں اٹھا کر لے جاتا ہے تاکہ آئندہ شکار کے وقت کام آ سکے۔

ایک ننھا سا کیڑا اور اس کی ذہانت

اس کیڑے کو مائٹ (Mite) کہا جاتا ہے۔ اس کا سائز حد بصارت سے بالاتر ہوتا ہے۔ یعنی اسے آپ اپنی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتے۔ یہ کیڑا ایک پتنگے کے کان میں انفیکشن پیدا کرتا ہے جس کے سبب اس پتنگے کا وہ کان کام کرنا بند کر دیتا ہے۔ بار بار کی تحقیق و تجربات کے بعد معلوم ہوا

کہ یہ کیڑا پتنگے کے صرف ایک کان میں انفیکشن پیدا کرتا ہے، دوسرے کان میں کبھی نہیں کرتا۔

چمگاڈر کی بصارت بہت کمزور ہوتی ہے۔ وہ رات کے وقت فضا میں اڑنے والے پتنگوں کا شکار کرتی ہے۔ اس مقصد کے لئے وہ اپنی ناک یا منہ سے الٹرا ساؤنڈ (آوازیں) نکالتی ہے یہ آوازیں ماحول میں موجود چیزوں یا پتنگوں سے ٹکرا کر چمگاڈر کے کان میں آتی ہیں اور چمگاڈر کے دماغ میں اردگرد کے ماحول کی ایک صوتی تصویر بنا دیتی ہیں۔ چمگاڈر آواز کی ان لہروں کے ذریعے دیکھتی ہے اور اسے معلوم ہوجاتا ہے کہ پتنگا کس سمت میں، کتنی دور ہے؟ اس کا سائز کیا ہے اور وہ کس رفتار سے اڑ رہا ہے؟ تاریکی کے باوجود چمگاڈر بالکل درست مقام پر پہنچتی ہے اور شکار کو پکڑ لیتی ہے۔

لاکھوں سال کے ارتقائی عمل میں شکار بننے والے کئی پتنگے بھی اب ایسی الٹرا ساؤنڈ نکالنے کے قابل ہوگئے ہیں جو چمگاڈر کے سگنلز کو جام کردیتی ہیں۔ چمگاڈر درست فیصلہ نہیں کرپاتی اور غلط سمت میں کسی اور طرف چلی جاتی ہے اس طرح پتنگے کی زندگی بچ جاتی ہے

مائٹ (Mite) نامی ننھے سے کیڑے پتنگوں کے صرف ایک کان میں انفیکشن پیدا کرتے ہیں تاکہ ان کا دوسرا کان چمگاڈر کے سگنلز کو سن سکے اور وہ پتنگا جواب میں الٹرا ساؤنڈز کے ذریعے چمگاڈر کے سگنلز کو جام کرنے کی صلاحیت سے مالا مال رہے۔ اس لئے کہ اگر پتنگا خود کو نہ بچا سکا تو پتنگے کے ساتھ ساتھ یہ ننھا سا کیڑا بھی چمگاڈر کا شکار ہوجائے گا۔

سوال یہ ہے کہ اس نظر نہ آنے والے کیڑے کے پاس اس قدر ذہانت اور پیش بینی کی صلاحیت کہاں سے آئی اور کس نے اس ذہانت کو پیدا کیا۔ اس کیڑے کی نہ آنکھیں ہوتی ہیں نہ کان اور دماغ ..... ایک نظر نہ آنے والے کیڑے کے دماغ کا سائز کیا ہوسکتا ہے!

ایسی ذہانت تو اکثر تین پونڈ وزنی دماغ رکھنے والے انسانوں میں بھی نظر نہیں آتی!

اژدھا اور بادل

مفضل ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے مولا سے عرض کی کہ آقا! اژدھے اور بادل کے بارے میں کچھ فرمایئے؟

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''ابر (بادل) کو اس کام کے لئے (بھی) مقرر کیا گیا ہے کہ وہ اژدھے کو جہاں پائے، اسے اچک لے۔ بالکل اسی طرح جس طرح مقناطیس لوہے کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے، اسی وجہ سے (اژدھا زمین سے چپک کر چلتا ہے اور) اپنا سر زمین سے نہیں اٹھاتا، کیونکہ اسے ابر کا خوف لگا رہتا ہے۔ ہاں گرمیوں کے زمانے میں جب آسمان بالکل صاف ہو اور ابر کا ذرا سا ٹکڑا بھی آسمان پر موجود نہ ہو، تو اژدھا اپنی پناہ گاہ سے شکار کے لئے نکلتا ہے اور سال میں صرف ایک بار ہی نکلتا ہے۔''

مفضّل ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی۔ ''مولا! یہ ابر کو کیوں اژدھے پر مؤکل کیا گیا کہ اسے جہاں پائے اچک لے؟''

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''اس لئے کہ انسانوں کو اژدھے کے ضرر سے محفوظ رکھا جا سکے''۔

....

نوٹ: ہم اپنی کم علمی کے سبب بادل اور اژدھے کے بارے میں کوئی وضاحت کرنے سے قاصر ہیں۔ اگر ہمارے قارئین اس بارے میں کوئی معلومات رکھتے ہوں تو براہ کرم ہماری رہنمائی فرمائیں۔ فون نمبر **0345-2443358**

باب: 6

جانور مرنے سے پہلے کہاں چلے جاتے ہیں؟

یہ ایک انتہائی حیران کن موضوع ہے جس پر شاید ہی کسی نے کبھی غور کیا ہوگا اور شاید ہی کوئی اس کے بارے میں کچھ جانتا ہو۔ اس حوالے سے آج کے ماہرین حیاتیات بھی شاید نہ کچھ جانتے ہیں اور نہ اس کی مصلحتوں سے واقف ہیں۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے آج سے صدیوں پہلے مفضل ابن عمرؓ کو اس موضوع کی طرف متوجہ کیا اور اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کو بیان فرمایا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:

"مفضل! جانوروں کے اندر اللہ تعالیٰ نے بعض عجیب وغریب اَسرارِ خلق کیے ہیں جو انسانوں کی فطرت کے برعکس ہیں اور ان پر غور کیا جانا چاہیے۔

تم نے کبھی سوچا کہ یہ جانور مرنے سے پہلے کہاں غائب ہو جاتے ہیں۔ ان کی لاشیں ہمیں کہیں نظر نہیں آتیں۔ حالانکہ زمین پر جانوروں کی تعداد انسانوں سے کہیں زیادہ ہے۔

ہرنوں، گائیوں، گدھوں، جنگلی بکریوں، بارہ سنگھوں کے گلوں، چڑیوں، کوؤں، چیلوں، مرغابیوں، تیتر اور کبوتروں کے جھنڈوں، شیروں، چیتوں، بھیڑیوں، مختلف اقسام کے حشرات مثلاً شہد کی مکھیوں، مچھروں، ٹڈیوں اور زمین پر چلنے والے (سانپ، چھپکلیاں اور دوسرے بے شمار حشرات الارض) اور پہاڑوں،

صحراؤں اور سمندروں میں رہنے والے جانوروں کی تعداد کا
اندازہ لگانے کے لئے تمہیں ان سب جانوروں پر غور کرنا ہوگا۔"
یہ تو جانوروں کی تعداد ہوئی تو یقیناً ان میں سے بہت سے ہر
روز مرتے بھی ہوں گے لیکن ان کے مُردے کہیں نظر نہیں آتے،
سوائے ان کے جنہیں کوئی دوسرا جانور پھاڑ کھائے، (یا جس کو زہر
دے دیا گیا ہو، وہ زخمی ہو یا پنجرے میں قید ہو)

نوٹ: کیا آپ نے کسی جانور کو
طبعی موت مرتے ہوئے دیکھا ہے؟

دنیا میں جانوروں کی تعداد انسانوں کی نسبت لاکھوں گنا زیادہ ہے۔ مثلاً ایک گھر میں اگر چھ آدمی رہتے تھے تو اس گھر میں چیونٹیوں، مکڑیوں اور کاکروچوں کی تعداد ہزاروں میں ہوگی۔ اسی طرح کسی شہر میں دس لاکھ انسان رہتے ہوں تو وہاں چڑیوں، کوؤں، میناؤں، طوطوں، کتے، بلیوں، کاکروچوں، چھپکلیوں، چیونٹیوں اور مچھروں کی تعداد کا شمار کرنا ممکن نہ ہوگا۔ جنگلوں، صحراؤں، پہاڑوں اور سمندروں میں موجود جانوروں کی تعداد اس سے بھی لاکھوں گنا زیادہ ہوگی۔

آپ غور کریں کہ کیا آپ نے کسی چیونٹی کاکروچ، چھپکلی، چڑیا، کوے، طوطے یا مرغابی کو کبھی اپنے سامنے مرتے دیکھا ہے۔ یقیناً کبھی نہیں دیکھا ہوگا۔

مثلاً عام چیونٹیاں ہزاروں کی تعداد میں فرش پر آپ کے سامنے سے گزر رہی ہوتی ہیں لیکن کبھی ایسا نہیں ہوا ہوگا کہ چیونٹیوں کی لائن میں سے کبھی کوئی چیونٹی چلتے چلتے گرے اور مر جائے۔ کبھی کوئی چڑیا دانہ کھاتے کھاتے اچانک گر کر مر جائے۔ کوا دیوار پر آ کر بیٹھے اور اچانک گر کر ختم ہو جائے۔ چیونٹی کی عمر تین ماہ ہوتی ہے لیکن اسے بھی کبھی آپ نے طبعی موت مرتے ہوئے نہیں دیکھا ہوگا۔

یہ بات بہر حال یقینی ہے کہ یہ سب جانور روزانہ بڑی تعداد میں مرتے ہیں لیکن ان کی لاشیں کبھی کسی کو نظر نہیں آئیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

یہ راز کیا ہے؟

امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس راز سے پردہ اٹھایا:

"مفضل! اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی فطرت میں یہ بات رکھی ہے کہ انہیں اپنی موت کے وقت کا پہلے سے اندازہ ہو جاتا ہے اور یہ اس وقت سے پہلے پہلے کسی خفیہ مقام پر جا کر چھپ جاتے ہیں، وہاں موت کا انتظار کرتے ہیں اور وہیں مر جاتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا اور یہ جانور بھی راہ چلتے چلتے یا پرواز کرتے کرتے مر جایا کرتے تو زمین ان کے مُردوں سے بھر جاتی۔ ہوا اور پانی میں تعفن پھیل جاتا اور زمین پر طرح طرح کی بیماریاں پھوٹ پڑتیں۔"

نوٹ: کیا یہ نظام ایک بے شعور مادّہ پیدا کر سکتا ہے

غور کرنا چاہیے کہ کیا جانوروں میں یہ طریقہ خود بہ خود رواج پا گیا۔ کیا جانوروں میں یہ خصوصیت ایک بے شعور و بے جان مادّے نے پیدا کر دی اور دنیا کے لاکھوں کھربوں جانور ہمیشہ اس بات کی پابندی کرتے ہیں۔ ظاہر ہے ایسا نہیں ہے۔ یہ تو اللہ کا پیدا کیا ہوا نظام ہے۔ اللہ صاحبِ قدرت اور صاحبِ علم بلکہ موجدِ علم ذات ہے اس لئے یہ لاکھوں کروڑوں جانور اس کے قبضہ قدرت میں اور اس کے حکم کے پابند ہیں۔ ان جانوروں کی زندگی، موت، ان کی حرکت و سکون، سب کچھ اسی کے قبضے میں ہے۔

اس موضوع پر تحقیق

اس حوالے سے ہم نے اپنے ایک ٹی وی پروگرام میں وائلڈ لائف کا طویل تجربہ رکھنے والے پروفیسر سید ین جعفری صاحب اور سفاری پارک کے انچارج ڈاکٹر محمد کاظم صاحب سے بات کی۔ یہ دونوں حضرات حیوانوں کے معالج ڈاکٹر ہیں۔ یہی سوال ہم نے ان دونوں ڈاکٹر صاحبان سے کیا۔

ڈاکٹر سید ین جعفری افریقہ اور پاکستان کے جنگلوں میں وائلڈ لائف پر طویل عرصے کام کرتے رہے ہیں۔ ہم نے ان سے پوچھا کہ آپ نے ساری زندگی میں کسی جانور کو طبعی موت مرتے دیکھا ہے؟ ان کا جواب نفی میں تھا۔

ہم نے پوچھا کہ کروڑوں جانوروں میں سے روزانہ ہزاروں تو مرتے ہوں گے تو ان کی لاشیں کہاں چلی جاتی ہیں؟

ڈاکٹر صاحب نے جواب دیا۔ ''دیکھیں آپ کو جو جانور نظر آتا ہے وہ صحت مند ہی نظر آتا ہے۔ جو جانور بیمار ہو جاتے ہیں اور اپنی افادیت کھو بیٹھتے ہیں تو اپنے گلّے یا جھنڈ سے الگ ہو جاتے ہیں اور اپنے علاقے سے دور کسی غار، پہاڑی درّوں یا جھاڑیوں میں جا کر بیٹھ جاتے ہیں اور وہاں مر جاتے ہیں۔ بعد میں مردہ خور جانور انہیں کھا جاتے ہیں اس کے بعد بیکٹیریا ان کے بچے ہوئے گوشت، کھال وغیرہ کو بہت چھوٹے چھوٹے ذرات میں تبدیل کر دیتے ہیں اس طرح ان جانوروں نے جو کچھ زمین اور فضا سے حاصل کیا تھا، وہ سب کچھ زمین اور فضا میں واپس چلا جاتا ہے''۔

''اگر یہ جانور بھی یونہی اچانک مرا کرتے تو کیا ہوتا؟'' ہم نے سوال کیا۔

''جانور اس طرح مرا کرتے تو شہروں، میدانوں، جنگلوں، پہاڑوں، جھیلوں، سمندروں اور دریاؤں میں روزانہ ان کی لاشیں اتنی زیادہ ہوتیں کہ دنیا کی کوئی بلدیہ بھی اتنی لاشیں اٹھانے سے قاصر رہتی۔ اس سے انسانی آبادیوں میں بیماریوں کے خدشات پیدا ہو جاتے۔

اس حوالے سے جب ہم نے سفاری پارک کے ڈائریکٹر ڈاکٹر کاظم صاحب سے معلوم کیا کہ کیا آپ نے کسی جانور کو کبھی طبعی موت مرتے دیکھا ہے تو انہوں نے نفی میں جواب دیا اور بتایا کہ آزاد جانوروں کی بات اپنی جگہ لیکن جو جانور قید ہوتے ہیں وہ بھی رات میں کسی وقت مرتے ہیں۔

سفاری پارک کے جانوروں میں 99% فی صد کیسز میں صبح جب ہم سفاری پارک میں آتے ہیں تو جانور ہمیں مردہ نظر آتا ہے۔ گھروں میں پالے جانے والے جانوروں کا بھی یہی ہوتا ہے کہ وہ رات میں کسی وقت مرتے ہیں اور صبح اپنے پنجرے میں مردہ پڑے ہوتے ہیں۔

یہ ہیں وہ حقائق

یہ ہیں وہ حقائق جن کے بارے میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے صدیوں پہلے اور صدیوں بعد تک کسی فلسفی، ماہر حیاتیات یا کسی سائنس دان کو کچھ معلوم نہیں تھا۔

امام علیہ السلام کی یہ گفتگو علم الحیوانات، ماحولیات اور وائلڈ لائف کے ایسے گوشوں کو اجاگر کرتی ہے جن پر آج کے دور میں بھی سائنس دان غور نہیں کرتے اور اگر کرتے ہیں تو ان باتوں کے مقاصد اور ان میں انسانوں کے لئے جو فوائد ہیں انہیں سمجھنے سے قاصر ہیں اور جس حد تک ان باتوں کو سمجھتے ہیں ان کے لیے اللہ کو بھول کر ''مدر نیچر'' کے گن گاتے رہتے ہیں۔

(نیچر کے بارے میں امام علیہ السلام اپنے پہلے لیکچر میں حقائق بیان کر چکے ہیں کہ نیچر اللہ تعالیٰ کا جاری کردہ ایک قانون ہے جسے اللہ نے اس کائنات میں جاری کیا ہے۔)

بہت سی باتیں انسانوں نے جانوروں سے سیکھیں

امام علیہ السلام نے فرمایا:

''مفضل! تم غور کرو گے تو معلوم ہوگا کہ بہت سی باتیں انسانوں نے جانوروں ہی سے سیکھی ہیں۔ اس کی ایک مثال تو ہابیل اور قابیل کے قصے میں تمہیں مل جائے گی۔

قابیل نے جب اپنے بھائی ہابیلؑ کو قتل کردیا تو اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ لاش کو کہاں چھپائے۔ اسی وقت دو کوے لڑتے ہوئے آئے اور ایک کوے نے دوسرے کوے کو مار ڈالا۔ اس کے بعد اس نے اپنے پنجوں سے زمین کھودی اور کوے کی لاش کو گڑھے میں پھینک کر اس پر مٹی ڈال دی۔

اس سے قابیل کی سمجھ میں آیا کہ وہ کیا کرے۔ اس طرح کوے کی نقل کرتے ہوئے اس نے بھی اپنے بھائی کی لاش کو اسی طرح چھپا دیا۔

نوٹ: دوسری مثالیں

۱) ہوا میں پرواز کرنے کا راز بھی انسان کو پرندوں کے ذریعے معلوم ہوا۔ آج جو ہوائی جہاز بنائے جاتے ہیں وہ پرندوں کی پرواز کے اصولوں پر ہی ڈیزائن کیے جاتے ہیں اور ان کی ساخت پرندوں سے ملتی جلتی ہوتی ہے۔

۲) خود کو دشمن سے چھپانے (کیموفلاج) کا طریقہ بھی انسان نے حشرات الارض، پرندوں اور چرندوں ہی سے سیکھا ہے۔ بہت سے پرندے، چوپائے حشرات اور کیڑے مکوڑے خود کو ماحول کے رنگ کے مطابق کر لیتے ہیں اس طرح وہ دشمن یا شکار کو نظر نہیں آتے۔

۳) ریڈار کی ایجاد انیسویں صدی میں ہوئی جب کہ چمگادڑیں، ہاتھی اور کئی طرح کی مچھلیاں اس ٹیکنالوجی کو لاکھوں سال پہلے سے استعمال کر رہی ہیں۔ چمگادڑیں اس مقصد کے لئے الٹرا ساؤنڈز استعمال کرتی ہیں جبکہ ہاتھی اس کام کے لئے انفرا ساؤنڈز کا استعمال کرتے ہیں۔

الٹرا ساؤنڈ انسانی سماعت سے بالاتر ہوتی ہیں اور انفرا ساؤنڈز انسانی کی حد سماعت سے

بہت کم ہوتی ہیں اسی لئے آواز کی یہ دونوں لہریں انسانی کان سننے سے قاصر رہتے ہیں۔

انسان اس ٹیکنالوجی کو آج طب سے لے کر دفاع تک کے لیے استعمال کرتا ہے۔

۴) کاغذ بنانا، انسان نے ایک تتیے سے سیکھا۔ یہ تتیا درخت کی چھال کو اپنے منہ سے کھرچتا ہے اور اس ریشے کو اپنا لعاب ملا کر چھتے کی تعمیر کرتا ہے۔ جب یہ رطوبت سوکھتی ہے تو اس کا کاغذی چھتا تیار ہو جاتا ہے۔ اسی کو دیکھ کر چین کے ایک باشندے نے ہزاروں سال پہلے کاغذ ایجاد کیا تھا۔

۵) اسی طرح کپڑے کے تانے بانے بُننے کا کام انسان نے مکڑی سے سیکھا۔

۶) کیمیائی جنگ کا طریقہ انسانوں نے مچھروں اور چیونٹیوں سے سیکھا۔ یہ دونوں حشرات ''کیمیکل وارفیئر'' یعنی کیمیائی جنگ کے ماہر ہوتے ہیں۔

باب : 7

ہاتھی کی سونڈ کے فائدے

حیوانوں کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے امام علیہ السلام نے مفضل ابن عمرؓ کو ہاتھی کے بدن کی ساخت کی جانب متوجہ فرمایا:

"مفضل! ذرا ہاتھی کی سونڈ کو غور سے دیکھو۔ (کہ اس طرح کی سونڈ دوسرے چوپایوں مثلاً گھوڑے، گائے یا بکری کے کیوں نہیں ہوتی؟)

اس کی وجہ یہ ہے کہ ہاتھی کی جسمانی ساخت دوسرے چوپایوں سے بالکل مختلف ہے۔ مثلاً ہاتھی کی گردن لمبی نہیں ہے۔ اس کے پاؤں موٹے اور بھاری ہیں۔ ہاتھی دوسرے چوپائیوں کی طرح سر جھکا کر زمین سے گھاس وغیرہ نہیں اٹھا سکتا۔ اس کی گردن چھوٹی اور بھاری ہے۔ وہ اپنی گردن کو دوسرے چوپائیوں کی طرح تیزی سے ادھر ادھر حرکت دینے سے قاصر ہے۔

اس طرح کی جسمانی ساخت کے ساتھ اگر ہاتھی کو سونڈ نہ دی جاتی تو وہ کس طرح اپنی غذا حاصل کرتا اور کس طرح زندہ رہتا۔

اسی لئے اس کارساز حقیقی نے ہاتھی کی بھاری گردن کے نیچے سونڈ پیدا کی۔ یہ سونڈ اس کے لئے ہاتھوں کا کام کرتی ہے۔

اس طرح کہ یہ اپنی سونڈ کو زمین تک لٹکائے رہتا ہے اور زمین یا درختوں سے اسے جو کچھ حاصل کرنا ہوتا ہے اسے سونڈ کی مدد سے حاصل کرتا ہے۔

سوچو کہ کس نے ہاتھی کو اس کی جسمانی ساخت کی مناسبت سے ہاتھوں کے بدلے ایک سونڈ دے دی جس سے وہ غذا بھی حاصل کرتا ہے اور پانی بھی پیتا ہے۔ ہاتھی کی یہ سونڈ اسی ذات نے پیدا کی جو خالق حقیقی ہے (اور جسے اپنی ہر مخلوق کی زندگی اور ضروریات زندگی کا علم تھا اس سے پہلے کہ وہ مخلوق معرض وجود میں آئے)

''اب اگر کوئی شخص کہے کہ ہاتھی کی گردن دوسرے چوپایوں کی طرح لمبی کیوں نہیں بنائی گئی تو اسے جواب دیا جائے گا کہ چونکہ ہاتھی کا سر اور اس کے کان بہت بھاری اور وزنی ہوتے ہیں (اس جسمانی ساخت کے ساتھ) اگر ہاتھی کی گردن لمبی بنائی جاتی تو وہ ہاتھی کے سر اور کانوں کے وزن کو سنبھال نہ پاتی اور ٹوٹ جاتی یا کم از کم یہ ہوتا کہ ہاتھی کو گردن گھمانے میں سخت دشواری پیش آتی۔ اسی لئے ہاتھی کا سر اس کے دھڑ سے ملا ہوا بنایا گیا تا کہ وہ سر اور کانوں کے بھاری وزن کے دباؤ کو سنبھال سکے اور اسے سونڈ دے دی گئی جو اس کے لئے ہاتھ کی طرح کام کرتی ہے۔

یہی نہیں ہاتھی کے وہ اعضاء جو افزائش نسل کے لئے ضروری ہیں وہ بھی دوسرے حیوانوں سے مختلف ہیں اور نر اور مادہ کی ضروریات کے عین مطابق ہیں تاکہ ان کی نسل بڑھتی رہے اور باقی رہے۔ (ہاتھیوں کی سونڈ کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ صحرائی علاقوں میں جہاں پانی زیر زمین ہوتا، ان علاقوں میں ہاتھی سونڈ کی مدد سے زیر زمین پانی کی موجودگی کا پتا لگا لیتا ہے)

زرّافہ ایک عجوبہ

امام جعفر صادق علیہ السلام نے مفضل ابن عمرؒ کو زرافے کی عجیب وغریب جسمانی ساخت کی جانب متوجہ فرمایا:

"مفضل! اب تم زرّافے کو دیکھو اور اس بات پر غور کرو کہ اس کے اعضاء کئی دوسرے حیوانوں کے اعضاء جیسے ہیں۔ مثلاً اس کا سر گھوڑے کی طرح، گردن اونٹ جیسی لمبی۔ اس کے کُھر، گائے بھینس جیسے اور کھال کے نشانات چیتے کی جلد جیسے۔

اس سے کچھ جاہلوں نے یہ سمجھا کہ زرّافہ مختلف اقسام کے چوپائیوں کے درمیان باہمی اختلاط سے پیدا ہوا۔ یہ گمان کرنے والے کی جہالت ہے اور ایسی بات وہی شخص سوچ سکتا ہے جسے اللہ جل شانہ کی شانِ خلاقیت کا ذرا سا بھی اندازہ نہیں ہے۔

ایسے لوگوں کو سمجھنا چاہئے کہ مختلف اقسام کے حیوانات کا ایک

ہی خالق ہے اور وہ جس حیوان کے جس عضو بدن کو چاہتا ہے تو ایک سا پیدا کر دیتا ہے اور جس کے اعضائے بدن کو چاہتا ہے دوسرے حیوانوں سے یکسر مختلف خلق کر دیتا ہے۔ان کی ساخت میں جو چاہتا ہے بڑھا دیتا ہے اور جس کو چیز کو چاہتا ہے کم کر دیتا ہے۔وہ جو چاہتا ہے اور جیسے چاہتا ہے اسے پیدا کر دیتا ہے اس کی قدرت و طاقت کو کوئی مخلوق عاجز نہیں کر سکتی۔

جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ زرّافہ کئی حیوانات کے اختلاط سے وجود میں آیا تو انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ کسی ایک قسم کا جانور دوسری قسم کے جانور سے اختلاط نہیں کرتا۔نہ گھوڑا، اونٹنی سے اور نہ اونٹ گائے سے۔اس قسم کا باہمی اختلاط ان جانوروں میں ممکن ہے جو ایک دوسرے سے قریبی رشتہ رکھتے ہوں اور ایک دوسرے سے ملتی جلتی جسمانی ساخت کے حامل ہوں، مثلاً گھوڑا اور گدھا۔ اب اگر گھوڑا باپ ہو اور ماں گدھی ہو تو اختلاط ممکن ہے۔ اس اختلاط سے خچر پیدا ہوتا ہے (جس میں گھوڑے اور گدھے دونوں کی خصوصیت یکجا ہو جاتی ہیں) اسی طرح بھیڑیئے اور بجّو نامی جانور میں بھی ہو سکتا ہے اور اس سے ''سمع'' نامی جانور پیدا ہوتا ہے۔

اچھا دیکھو! ایسا بھی نہیں ہو سکتا کہ دو مختلف جانوروں کے اختلاط سے جو بچہ پیدا ہو اس میں ایک عضو ایک جانور کا ہو اور دوسرا کسی اور جانور کا (مثلاً سر بھیڑیئے جیسا ہو اور باقی جسم بجّو جیسا)

جیسا تمہیں زرّافے میں نظر آتا ہے کہ جلد کا رنگ چیتے جیسا، گردن اونٹ جیسی اور کھر گائے جیسے معلوم ہوتے ہیں۔

جب دو مختلف جانوروں کے اختلاط سے بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ ایک تیسری قسم کا جانور بن جاتا ہے۔ اسی کی مثال خچر ہے کہ اس کا سر، کان، کمر، دُم، سُم، یہ سارے اعضاء گھوڑے اور گدھے دونوں کے اعضاء سے ملتے جلتے ہوتے ہیں اور اس کی آواز گھوڑے اور گدھے کی آواز کے درمیان ہوتی ہے۔ (ایسا نہیں ہوتا ہے کہ خچر کا سر بالکل گدھے جیسا ہو اور باقی جسم ہو بہو گھوڑے جیسا۔ کسی مادہ جانور میں ایسا ممکن نہیں ہوسکتا کہ اس کا بیضہ (Egg) کئی طرح کے جانوروں کے اسپرم (Sperm) سے بیک وقت میل کھا سکے)

''بس یہی دلیل ہے اس بات کی کہ زرّافہ مختلف اقسام کے جانوروں کے اختلاط سے وجود میں نہیں آیا بلکہ ایک بالکل الگ قسم کا جانور ہے اور اللہ کی مخلوقات میں سے ایک عجیب مخلوق ہے۔

یہ اللہ کی قدرت کا ایک نمونہ ہے کہ اللہ جس مخلوق کو جیسا چاہے پیدا کر سکتا ہے''۔

زرّافے کی گردن لمبی کیوں بنائی گئی؟

''زرّافے کی گردن پر بھی غور کرو کہ یہ اس قدر لمبی کیوں بنائی گئی۔ اس میں اس کا کیا فائدہ ہے۔ تم دیکھو گے کہ زرّافے ایسے جنگلوں میں رہتے ہیں جہاں اونچے اونچے درخت موجود

ہوں۔ان کی زیادہ تر غذا پیڑوں کی تازہ کونپلیں ہوتی ہیں۔اب چونکہ اس کی غذا درختوں کی چوٹیوں پر موجود تازہ پتے تھے تو اس کی گردن اس قدر لمبی بنائی گئی کہ زرّافہ اپنے منہ اور ہونٹوں کو درختوں کی اوپر والی شاخوں تک پہنچا سکے اور اپنی پسندیدہ غذا حاصل کر سکے"۔

بندر کے بدن کی ساخت اور اس کی حکمتیں

امام علیہ السلام نے فرمایا:

"اب ذرا بندر کے بارے میں غور کرو کہ یہ انسان سے کس قدر مشابہہ ہے (لیکن انسانی صفات وخصوصیات سے محروم) تم دیکھو گے کہ بندر کے زیادہ تر اعضاء انسانی اعضاء جیسے ہی ہوتے ہیں۔مثلاً اس کا سر، دونوں بازو، سینہ، دودھ پلانے کے اعضاء، حتیٰ کہ اس کے اندرونی اعضاء بھی انسان کے اندرونی اعضاء سے مشابہہ ہوتے ہیں۔

پھر اسے ایک خاص طرح کی ذہانت اور چالاکی بھی دی گئی جس کے ذریعے یہ اپنے مالک (سدھانے والے) کے اشاروں اور آوازوں کو سمجھتا ہے۔انسانوں کی نقل اتارتا ہے۔یہ جانور بہت سی انسانی خصلتوں کو اختیار کر سکتا ہے اور اپنی جسمانی ساخت میں بھی انسان سے بہت ملتا جلتا ہے۔

بہت شکر ادا کرنا چاہیے

انسان کو اس بات پر غور کرنا چاہئے اور اپنے خالق کا بے پناہ شکر گزار ہونا چاہئے۔ اسے سوچنا چاہئے کہ دوسرے حیوان بھی میری طرح اللہ کی مخلوق ہیں اور میں بھی انہی حیوانوں کی طینت اور مادّے سے بنا ہوں لیکن ان حیوانوں، مثلاً بندر کے مقابلے میں اللہ نے مجھے کن عظیم فضیلتوں سے سرفراز کیا ہے۔

انسان اور بندر

کسی مخلوق کا انسان یا جانور بننا اس کے DNA پر موجود (Gens) پر منحصر ہے۔ ہر جانور کا DNA الگ طرح کا ہوتا ہے لیکن ان میں کسی قدر یکسانی بھی پائی جاتی ہے۔ مثلاً انسانوں میں 99.9 فی صد جینز (Gens) ایک دوسرے جیسی ہوتی ہیں۔ جب کہ انسان اور بندر کی 98.5 فی صد جینز یکساں ہوتی ہیں۔ اسی طرح انسان اور چوہے کی 90 فی صد جینز ایک جیسی ہوتی ہیں۔ یعنی اگر انسان کی جینز صرف 2% مزید یکساں ہوتی تو انسان، انسان کے بجائے ایک بندر جیسی مخلوق ہوتا۔ (حوالہ: DNA جسم کی کتاب ہدایت)

انسان کو چاہئے کہ وہ غور کرے کہ وہ بندر سے کس قدر مشابہ لیکن اللہ کی نعمتوں اور احسانات کے سبب کس قدر مختلف اور بندر کے مقابلے میں کس قدر بافضیلت ہے۔ اگر دماغ، عقل اور قوت گویائی میں انسان کو دوسرے حیوانوں پر فضیلت نہ دی جاتی تو انسان بھی، آدمی کی بجائے محض ایک جانور ہوتا۔" (زیادہ سے زیادہ بندر جیسا جانور)

نوٹ: انسان نما حیوان

بن مانس، چمپینزی اور دوسرے بندروں میں انسانوں سے ملتی جلتی کئی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ مثلاً یہ تمام بندر اپنے ہاتھوں کی انگلیوں کو انسان کی طرح استعمال کر سکتے ہیں۔ یعنی ان کا انگوٹھا ہاتھ کی دوسری انگلیوں سے مل سکتا ہے۔ اگر انسان کے ہاتھ میں انگوٹھا نہ ہوتا ایسی صورت میں صرف انگلیاں بہت کم کام کر سکتی تھیں۔

بندروں کی ٹانگ کی ہڈیاں ایسی ہوتی ہیں کہ وہ ٹانگوں کو بالکل سیدھا نہیں کر پاتا۔ اسی وجہ سے وہ سیدھا کھڑا نہیں رہ سکتا۔ انسان کی طرح بندروں کی ہتھیلی اور پیر کے تلووں پر بال نہیں ہوتے۔ تمام بندر غول بنا کر زندگی گزارتے ہیں۔ اس غول کا ایک سردار ہوتا ہے غول کے بندر اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ بندر اپنے جذبات کو انسانوں کی طرح اپنے چہرے سے ظاہر کر سکتے ہیں۔ دوسرے چوپائے مثلاً گائے، بھینس، بکری وغیرہ کے چہرے جذبات کے اظہار سے عاری ہوتے ہیں۔

بندروں کی ریڑھ کی ہڈی انسانوں کی طرح خم دار نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے یہ زیادہ دیر دو پاؤں پر کھڑے نہیں رہ سکتے اور بے شمار فوائد سے محروم رہتے ہیں۔ اس کے باوجود ماہرین حیاتیات کے مطابق بندر، انسان کے سوا دوسرے تمام حیوانوں سے زیادہ ترقی یافتہ جانور ہیں۔

دلچسپ بات یہ ہے بندروں کی زبان، منہ، دانت، ہونٹ انسانوں کی طرح ہوتے ہیں لیکن یہ انسانی آواز کی نقل نہیں اتار سکتے۔ جب کہ گرے پیرٹ، مینائیں اور طوطے جن کی زبان چھوٹی ہوتی ہے۔ ان کے ہونٹ بھی نہیں ہوتے اس کے باوجود وہ انسانی آواز و الفاظ کو بالکل انسانی لہجے میں ادا کرنا سیکھ جاتے ہیں۔

چمپینزی نسل کے بندروں میں، دوسرے بہت سے کام سیکھنے کی صلاحیت پائی جاتی ہے اور وہ یہ سارے کام بالکل انسانوں کی طرح سرانجام دے سکتے ہیں۔

بندر کے جسم میں کچھ اضافے بھی ہیں

امام علیہ السلام نے مفضل سے فرمایا:

''انسانوں سے مشابہت کے ساتھ ساتھ بندروں کے جسم میں کچھ اضافے بھی ہیں۔ مثلاً اس کا دہانہ، دم اور جسم پر بال...جو بندر کے لئے اس کے لباس کا کام دیتے ہیں۔ اگر بندر کو انسانوں کی طرح عقل وشعور، دماغ، ذہانت اور گویائی کی طاقت دے دی جاتی تو یہ باتیں اس کے انسان سے مشابہ ترین ہونے میں مانع نہ ہوتیں۔

امامؑ نے چوپائیوں، پرندوں اور درندوں کے بارے میں جو کچھ فرمایا۔ مفضّل ابن عمرؓ ان تمام باتوں کو لکھتے رہے۔ امامؑ نے اپنی گفتگو میں ایک وقفہ دیا تو مفضل ابن عمرؓ نے عرض کی۔

''مولا! آپ نے حیوانات کے بارے میں اور ان کی جسمانی ساخت کے حوالے سے جو کچھ فرمایا، وہ عقل وشعور رکھنے والوں کے لئے واقعی عبرت کا سبق اور علم وحکمت کا ایک خزانہ ہے۔ اب آپ سے گزارش ہے کہ آپ چیونٹی (یا اس جیسے دوسرے حشرات) اور پرندوں کے بارے میں کچھ فرمائیے!''

امام علیہ السلام کا جواب اگلے باب میں دیکھیے۔

باب: 8

چیونٹی، اللہ کی قدرت کا ایک اعلیٰ نمونہ

گزشتہ باب میں آپ نے پڑھا کہ مفضل ابن عمرؓ نے امامؑ سے درخواست کی کہ مولا! اب آپ مجھے چیونٹی (یا اس جیسے حشرات) اور پرندوں کے بارے میں بتائیے۔

اس سوال کے جواب میں امام علیہ السلام نے فرمایا:

"مفضل! ذرا اس ننھی سی چیونٹی کے منہ کو دیکھو! کیا تم اس کے منہ کی بناوٹ میں کسی ایسی چیز کی کمی پاتے ہو، جس کی چیونٹی کو اپنے ماحول اور ضروریات کے لئے حاجت ہو اور وہ چیز چیونٹی کے اس (مختصر سے) منہ میں موجود نہ ہو؟ چیونٹی کے منہ میں ہر وہ چیز پیدا کی گئی ہے جو اس کی زندگی اور اس مقصد کے لئے ضروری ہے جس مقصد (یا مقاصد) کے لئے چیونٹی کو خلق کیا گیا ہے۔

چیونٹی کو زمین پر کیا کرنا ہے، کس طرح زندہ رہنا، کس طرح اپنا کام کرتے رہنا ہے اور کس طرح اپنے مقصد حیات کی تکمیل کرنا ہے؟ اس کے بارے میں کس نے طے کیا اور پھر ان کاموں کی مناسبت سے کس نے اسے مخصوص اعضاء عطا فرمائے تو ظاہر ہے کہ یہ اللہ کی ذات ہے۔

ان سب باتوں پر غور کرو گے تو تم دیکھو گے کہ چیونٹی کے

وجود میں بھی وہی حکمت و تدبیر (قدرت کی اعلیٰ ترین ٹیکنالوجی) صرف ہوئی ہے جو تمہیں کسی بھی دوسری چھوٹی یا بڑی مخلوق میں نظر آتی ہے۔

امیر المومنینؑ نے فرمایا

ہم اپنے قارئین کو چیونٹی کے منہ کے بارے میں بھی تفصیلاً بتائیں گے لیکن یہاں مناسب ہے کہ چیونٹی کے بارے میں امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کا ایک قول نقل کریں۔

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا:

''کیا وہ لوگ (اللہ کے وجود کا انکار کرنے والے) ان ننھے منے ذی حیات کو نہیں دیکھتے جنہیں اللہ نے پیدا کیا ہے؟ اگر تم غور وفکر کے راستوں کو طے کرتے ہوئے اس کی آخری حد تک پہنچ جاؤ گے تو سمجھ سکو گے کہ جو (اللہ) چیونٹی کا پیدا کرنے والا ہے، کھجور کا درخت بھی اسی نے پیدا کیا ہے۔ تمام ذی حیات (Living Things) کے مختلف اعضاء میں باریک ہی سا تو فرق ہے۔'' (نہج البلاغہ خطبہ: ۱۸۳)

نوٹ: چیونٹی کی جسمانی ساخت

آیئے اب چیونٹی کو ''مائکرو اسکوپ'' کی مدد سے دیکھتے ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ کی شان خلاقیت کا کسی قدر اندازہ لگا سکیں۔ چیونٹی کے جسم کے تمام نازک اعضاء ایک سخت خول میں بند ہوتے ہیں۔ چیونٹی کا شمار حشرات (Insects) میں ہوتا ہے اور تمام حشرات میں اسی طرح کا جسم پایا جاتا ہے۔ تمام حشرات کے اعضاء ایک خول میں بند ہوتے ہیں۔ ان کی ٹانگیں، منہ، اینٹینا اور پَر

اس خول سے باہر نکلے ہوتے ہیں۔

یہ سخت خول انہیں دشمنوں سے بچانے میں مدد فراہم کرتا ہے بالکل بکتر بند گاڑی کی طرح۔ اس خول کو (Exoskeleton) کہا جاتا ہے۔ دورانِ خون، دماغ، اعصابی نظام، ہاضمے کا نظام اور دوسرے بہت سارے اعضاء اسی سخت خول میں بند ہوتے ہیں۔

اس خول کے بارے میں سب سے پہلے امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے ایک خطبے میں ہمیں متوجہ کیا۔ آپ نے فرمایا:

"اگر تم اس (چیونٹی) کی غذا کی نالیوں اور اس کے جسم کے نشیب و فراز اور اس کے خول (Exoskeleton) آنکھوں اور کانوں کی بناوٹ میں غور و فکر کرو گے تو تم اس (اللہ) کی آفرینش پر حیران رہ جاؤ گے۔ (نہج البلاغہ خطبہ۔۱۸۳)

نوٹ: واضح رہے کہ انسانوں اور دوسرے جانوروں کے جسم کا ڈھانچا جسم کے اندر ہوتا ہے لیکن حشرات الارض مثلاً کاکروچ، مکھی، چیونٹی، شہد کی مکھی وغیرہ کے جسم کا ڈھانچا ان کے جسم کے اوپر قائم کیا گیا ہے جو ان کے اعضاء و بناوٹ کو اپنی جگہ قائم رکھتا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے مفضل ابن عمرؓ سے چیونٹی کے بارے میں جو کچھ فرمایا وہ اس زمانے کے لوگوں کی عمومی ذہنی سطح کو پیش نظر رکھ کر فرمایا: ہم نے چیونٹی کے بارے امام علیہ السلام کے انہی بنیادی انکشافات کی تشریح جدید سائنسی معلومات کی روشنی میں آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔

چیونٹیوں کا ٹیم ورک

امام علیہ السلام نے مفضل ابن عمرؓ سے فرمایا:

"اس چیونٹی کو دیکھو کہ یہ اپنی غذا کے لئے کس طرح جمع

ہوتی ہیں (یعنی انہیں کس طرح پتا چل جاتا ہے کہ فلاں مقام پر فلاں غذا موجود ہے) یہ بھی دیکھو کہ چیونٹیاں جب کسی دانے کو اپنے سوراخ تک پہنچانا چاہتی ہیں تو اگر یہ دانہ بھاری ہو تو بہت ساری چیونٹیاں اسے ہر طرف سے اٹھاتی ہیں اور آرام سے اپنے سوراخ میں پہنچا دیتی ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے کئی آدمی مل کر وزنی چیز کو اٹھاتے ہیں بلکہ چیونٹیاں تو اس کام میں اس قدر کوشش اور تندہی کا مظاہرہ کرتی ہیں جس قدر کوشش اکثر آدمی بھی نہیں کرتے''۔

نوٹ: کیا سائنس دان ایک چیونٹی پیدا کر سکتے ہیں؟

اس ٹیم ورک کو سرانجام دینے کے لئے چیونٹی جیسی ننھی سی مخلوق کو باہمی تعاون اور اس تعاون کے لئے شعور اور اسے استعمال کرنے کی صلاحیت، کیا مادّہ اس میں پیدا کر سکتا تھا؟ مادّے کو چھوڑ دیں، یہ دیکھیں کہ کیا دنیا بھر کے سائنس دان مل کر چیونٹی جیسی مخلوق پیدا کر سکتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ دنیا بھر کے سارے سائنسی ادارے اور سائنس دان مل کر چیونٹی جیسی مخلوق کو فنا کر سکتے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ تمام چیونٹیوں کو فنا کرنا بھی کسی کے لیے ممکن نہیں ہے۔

اس کی تازہ مثال جنوبی امریکا میں پائی جانے والی فائر آنٹس (آتشی چیونٹیاں) ہیں۔ جنہیں جنوبی امریکا سے فنا کرنے کی تمام کوششیں بیکار ثابت ہو چکی ہیں۔ فنا ہونے کے بجائے یہ زہریلی چیونٹیاں جنوبی امریکا کے دوسرے علاقوں میں پھیلتی جا رہی ہیں۔ یہ ہوائی اڈوں اور ٹریفک سگنلز کے برقی تاروں کو کاٹ دیتی ہیں۔ یہ کسی انسان کو کاٹ لیں اور اسے فوری طبی امداد نہ ملے تو وہ انسان ہلاک بھی ہو سکتا ہے۔ یہ چیونٹیاں ائرپورٹس پر رن وے کی لائٹس کے تاروں کو کاٹ دیتی ہیں جس کی

وجہ سے اکثر جہازوں کی لینڈنگ میں مشکلات پیش آتی ہیں۔ (حوالہ: Wiki Pedia)

چیونٹی کی پیش بینی

امام علیہ السلام نے فرمایا:

''تم نے دیکھا ہوگا کہ چیونٹیاں جب کوئی دانہ یا بیج اٹھاتی ہیں تو اپنے سوراخ میں لے جانے سے پہلے اس کے دو ٹکڑے کر دیتی ہیں کہ کہیں یہ ان کے کام کے نہ رہیں۔''

(چیونٹیاں جانتی ہیں کہ یہ دانہ اگر سالم حالت میں ان کے سوراخ میں گیا تو زمین میں نمی پا کر اگنے لگے گا اور غذا کے لئے کام آنے کے بجائے ان کے گھر کو توڑ پھوڑ کر رکھ دے گا)

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''پھر یہ چیونٹیاں عام طور پر ایسی جگہ گھر بناتی ہیں جو بلند ہو اور وہاں پانی آنے کا امکان نہ ہو۔ اگر کبھی پانی آجائے تو یہ اپنے جمع کئے ہوئے دانوں کو باہر دھوپ میں لا کر پھیلا دیتی ہیں تا کہ یہ خشک ہو جائیں۔

مفضل! دیکھو! اگر چہ ان کے پاس انسانوں جیسی عقل نہیں ہے، اس کے باوجود یہ کس طرح ساتھ مل کر بڑی ذہانت کے ساتھ کام کرتی ہیں۔ اس لئے کہ یہ سب صلاحیتیں ان کی ضروریات (اور مطلوبہ خدمات) خدائے عزوجل کی مہربانی سے ان کی فطرت میں داخل کر دی گئی ہیں۔

چیونٹی کی اقسام

دنیا بھر میں چیونٹی کی آٹھ سو سے زیادہ اقسام پائی جاتی ہیں اور اپنے اپنے ماحول میں ایک مکمل سماجی و معاشرتی زندگی گزارتی ہیں۔ اسی لئے انہیں سوشل انسیکٹ کہا جاتا ہے۔ ان کے سائز، شکل وصورت، جسمانی ساخت اور عادات واطوار میں بڑی رنگارنگی پائی جاتی ہے۔ یہ کالونیاں بنا کر زندگی گزارتی ہیں۔ ہر کالونی ایک ملکہ چیونٹی کے دم سے آباد ہوتی ہے۔ ایک کالونی میں دو لاکھ سے زیادہ چیونٹیاں ہو سکتی ہیں۔ ملکہ کا کام انڈے دینا، آبادی میں اضافہ کرنا اور تمام خدمات سرانجام دینے والی لاکھوں کارکن چیونٹیوں کو اپنے حکم پر چلانا ہوتا ہے۔

ملکہ کس طرح ان چیونٹیوں کو احکامات جاری کرتی ہے اس کے بارے میں تحقیقات ابھی تک واضح نہیں ہو سکیں۔ امکان ہے کہ ملکہ چیونٹی یہ سب کام بعض کیمیکلز کے ذریعے سر انجام دیتی ہے۔

سپاہی قسم کی چیونٹیاں بدبودار زہریلے مادوں سے لیس ہوتی ہیں اور ان کے ذریعے دشمن سے اپنا دفاع کرتی ہیں۔ کارکن چیونٹیاں ملکہ کے انڈوں کی نگہداشت کرتی ہیں اور انہیں غذا فراہم کرتی ہیں۔

چیونٹیوں کی ایک قسم جنہیں پیراسول چیونٹیاں کہا جاتا ہے، زیرِ زمین بڑے بڑے گھر بناتی ہیں۔ درختوں کے پتے کاٹ کر ان گھروں تک پہنچاتی ہیں۔ اندر موجود چیونٹیاں ان پتوں کو باریک ٹکڑوں میں کاٹ کر اپنے گھر میں پھیلا دیتی ہیں جہاں انہیں پھپھوند لگ جاتی ہے اور یہ پھپھوند ان کے غذائی اسٹور کا کام کرتی ہے۔

بعض چیونٹیاں مویشی بھی پالتی ہیں۔ وہ چاولوں میں پائی جانے والی سُرسُری یا ایسے ہی کسی حشرے کو پکڑ کر اپنے گھر میں لے جاتی ہیں اور اسے باہر نکلنے نہیں دیتیں۔ اس سُرسُری کے جسم سے ایک رس نکلتا ہے جسے یہ چیونٹیاں استعمال کرتی ہیں۔

چیونٹی کا منہ

جو چیونٹیاں ننھے منے کیڑے مکوڑوں کو اپنی غذا بناتی ہیں ان کے جبڑے، سادہ اور چند دانتوں والے ہوتے ہیں۔ سخت کھال کے بڑے کیڑوں کو کھانے والی چیونٹیوں کے جبڑے اسی مناسبت سے بڑے اور سخت دانتوں والے ہوتے ہیں۔ پتوں کو کاٹ کر کھانے والی چیونٹیوں کے منہ میں دانت نہیں ہوتے۔ لیکن ان کے منہ درانتی کی طرح ہوتے ہیں جن کی مدد سے یہ پتوں کو بڑی تیز رفتاری کے ساتھ کاٹتی ہیں۔

چیونٹی کے پاؤں

چیونٹیوں کے پیروں میں اس طرح کے چپکنے والے پیڈ ہوتے ہیں جو خردبینی بالوں سے ڈھکے ہوتے ہیں۔ یہ بال چیونٹیوں کو قوت لامسہ (چھو کر محسوس کرنے کی صلاحیت) عطا کرتے ہیں۔ ان کے ہر پیر کے اندر دو پنجے ہوتے ہیں جن کی مدد سے یہ کسی چیز کو بہ آسانی پکڑ سکتی ہیں۔ ہر پنجے کے نیچے اس طرح کے پیڈ ہوتے ہیں کہ چیونٹیاں خود کو کسی بھی سطح پر چپکا سکتی ہیں۔ اسی لئے یہ دیوار، چھت، درخت اور پتوں پر آرام سے چل سکتی ہیں۔ اگر یہ پیڈ نہ ہوں تو یہ نازک سی چیونٹیاں ہوا میں اُڑ جائیں۔

چیونٹی کے کان

چیونٹی کے جسم میں ہمارے کانوں کی طرح کان نہیں ہوتے بلکہ ان کے سر پر لگے ہوئے دو انٹینا ان کے لئے کانوں کا کام سرانجام دینے ساتھ ساتھ دوسرے ذی حیات اور اپنی جیسی چیونٹیوں سے بے شمار مواصلاتی رابطوں میں بھی ان کی مدد کرتے ہیں۔

چیونٹی کی انجینئرنگ کی صلاحیت

چیونٹی کی ایک قسم اکثر دو پتوں کو ایک دوسرے سے جوڑ کر اس کے اندر گھر بناتی ہے۔ اس مقصد کے لئے بہت ساری چیونٹیاں اپنے ہی ایک لاروا کو پکڑ کر پتے کے قریب لاتی ہیں۔ لاروا

کے جسم سے ریشم جیسا مادہ نکلتا ہے۔ چیونٹیاں دو حصوں میں بٹ کر پتوں کے کناروں کو کھینچ کر ایک دوسرے کے قریب لاتی ہیں اور کچھ چیونٹیاں لاروا کے جسم سے نکلنے والے ریشم جیسے مادے سے ان کناروں کو جوڑ دیتی ہیں۔ (حوالہ: The Insects)

مکڑی اور شکار

امام علیہ السلام نے فرمایا:

"مفضل! چیونٹی کے ساتھ ساتھ اس جاندار کو دیکھو جسے لیث (شیر) کہتے ہیں۔ عام لوگ اسے اسد الذباب (مکھیوں کا شیر) بھی کہتے ہیں۔ یہ ایک قسم کی چھوٹی سی مکڑی ہے جو مکھیوں کا شکار کرتی ہے۔ اس ذرا سی مکڑی کے زندہ رہنے اور غذا حاصل کرنے کے لئے کس قدر چالاکی اور تدبیر اس کی فطرت میں رکھی گئی ہے! حصولِ رزق کے لئے اس مکھی میں کیسی برداشت اور صلاحیت عطا کی گئی ہے!

تم دیکھو گے کہ مکھی جب اس کے قریب آتی ہے تو یہ مکڑی بالکل بے حس و حرکت رہتی ہے۔ خود کو مردہ ظاہر کرتی ہے۔ جب مکھی اس کی طرف سے بے فکر ہو جاتی ہے تو یہ بہت آہستگی سے حرکت کرتی ہے اور ذرا آگے بڑھ کر پھر سے مُردے جیسی ہو جاتی ہے۔ اس طرح جب اس مکڑی کو اندازہ ہو جاتا ہے کہ اب وہ جست لگا کر مکھی کو پکڑ سکتی ہے تو اچانک ہی جست لگا کر

مکھی کو دبوچ لیتی ہے۔ پھر اسے اتنی دیر تک مضبوطی سے تھامے رہتی ہے جب تک اسے محسوس نہ ہو جائے کہ مکھی کمزور ہو گئی اور اس کا جسم ڈھیلا ہو گیا ہے۔ اس کے بعد یہ مکھی کو اٹھا کر کسی محفوظ مقام پر لے جاتی ہے اور اسے آہستہ آہستہ کھا جاتی ہے۔

تو مفضل! یہ بتاؤ کہ مکڑی کو یہ ترکیب، غذا حاصل کرنے کے یہ طریقے (اور غذا کا انتخاب کرنا) کیا مکڑی کے مادّے نے اسے سکھائے؟ یا اس نام نہاد طبیعت نے جسے یہ دہریے مانتے ہیں۔ حالانکہ طبیعت (نیچر) تو وہ نظام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ذی حیات میں قائم کیا ہے۔ طبیعت (یا نیچر) بہ ذات خود کچھ نہیں ہے۔

مکڑی کے اندر یعنی اس کی فطرت میں یہ ساری باتیں ایک حکیم مطلق ذات نے پیدا کی ہیں اور وہی اللہ ہے۔ (جس کا یہ دہریے انکار کرتے ہیں)

دوسرے اقسام کی مکڑیاں اوران کا انداز

''اچھا تو دیکھو''لیث'' مکڑی کی صرف ایک قسم ہے جب کہ مکڑی کی دوسری اقسام اس طرح شکار نہیں کرتیں۔ دوسری مکڑیاں مکھیوں یا پتنگوں کا شکار کرنے کے لئے باقاعدہ جال اور پھندے بناتی ہیں اور خود قریب چھپ کر بیٹھ جاتی ہیں، شکار جیسے ہی جال میں پھنستا ہے تو مکڑیاں اسے دبوچ لیتی ہیں اور فوراً ہی

کھانا شروع کر دیتی ہیں۔

یہ جال ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے لوگ شیر یا دوسرے جانوروں کے شکار کے لئے جال اور پھندے لگاتے ہیں۔ (یعنی انسان جو کام اپنی عقل و تدبیر سے کرتا ہے مکڑیاں انسان جیسی عقل وادراک نہ ہونے کے باوجود اسی طرح کی تدبیریں اپنے اندر موجود فطری خصوصیات اور صلاحیتوں یعنی جینیٹک خصوصیات کے ذریعے سرانجام دیتی ہیں۔)

مکڑی کا جال اس کے جسم ہی سے نکلتا ہے

نوٹ: مکڑی کے جال کی بُنت قابل دید ہوتی ہے اور یہ سارا جال وہ اپنے جسم میں موجود ایک رطوبت سے بناتی ہیں۔ بہت سی مکڑیاں، دو بڑے درختوں کے درمیان جال بناتی ہیں۔ تاکہ ہوا کے ساتھ اڑ کر آنے والے پتنگے، شہد کی مکھیاں اور دوسرے حشرات ان میں پھنس جائیں۔ پھر جیسے ہی کوئی پتنگا جال میں پھنستا ہے۔ تو جال کی معمولی سی لرزش سے مکڑی اس کا اندازہ کر لیتی ہے اور تیزی سے وہاں پہنچ کر اپنے شکار کو ہر طرف سے جال میں لپیٹ دیتی ہے۔

ایک خاص قسم کی مکڑی ایک چوکور جال تیار کر کے اس جال کو اپنے پنجوں میں تھامے رکھتی ہے۔ جسے ہی کوئی شکار اس کے قریب سے گزرتا تو وہ اپنا جال اس پر پھینک کر اسے پکڑ لیتی ہے۔

مکڑی کے حیران کن کام

آپ غور فرمائیں کہ جال بنانے کا سارا میٹریل اس کے جسم میں موجود ہوتا ہے اور وقت ضرورت مکڑی اپنے ذہن میں موجود ڈیزائن کے مطابق یہ جال بناتی ہے۔ مادّے کے اندر کیا یہ صلاحیت ہو سکتی ہے کہ وہ اس ننھی سے مخلوق کو جال کا ڈیزائن اور میٹریل فراہم کر سکے؟

سونے کو تولنے کے لیے پیتل کے باٹ

"تو مفضل! عبرت حاصل کرو اس بات سے کہ جن کاموں

کے سرانجام دینے کے لئے انسان کو عقل و ادراک، ذہانت اور آلات کی ضرورت پڑتی ہے، مکڑی جیسی یہ چھوٹی سی مخلوق سارے کام عقل و آلات کے بغیر سرانجام دے سکتی ہے۔"

"مفضل! دیکھو! کسی مخلوق کو حقیر نہ سمجھو کہ ہر مخلوق کے اندر اللہ تعالیٰ کے وجود کی عظیم نشانیاں موجود ہیں۔ چیونٹی، مچھر، مکھی (یا ان سے بھی چھوٹے ذی حیات) میں خالق حقیقی کی عجیب و غریب حکمتیں اور صناعی (ٹیکنالوجی) موجود ہے جو ان کے خالق نے ان کے جسموں میں صرف کی ہے۔ یہ سب اگرچہ عام انسانوں کے لئے حقیر سی چیزیں ہیں لیکن (غور و فکر کرنے والوں کے لیے) ان کے اندر اثبات وجود خدا کے روشن ثبوت موجود ہیں اسی لئے میں نے انہیں وجود باری تعالیٰ کے اِثبات کے لئے بہ طور دلیل تم سے بیان کیا ہے۔

"مفضل دیکھو! کبھی عظیم الشان باتوں کو سمجھانے کے لئے چھوٹی اور معمولی چیز کی مثال دینا پڑتی ہے لیکن اس سے عظیم چیزوں کی قدر و قیمت میں کمی واقع نہیں ہوتی۔ مثلاً سونے کو تولنے کے لئے پیتل کے باٹ استعمال کیے جاتے ہیں تو اس سے سونے کی قدر و قیمت میں کبھی کمی واقع نہیں ہوتی۔"

....

باب : 9

پرندوں کے بارے میں معلومات

امام جعفر صادق علیہ السلام نے جس دور میں پرندوں کے بارے میں یہ سائنسی انکشافات فرمائے۔ اس دور میں، اس سے صدیوں پہلے اور اس کے صدیوں بعد تک کسی انسان کو اس معیار کی معلومات ہونا تو درکنار، اس بارے میں لوگ غور و فکر بھی نہیں کرتے تھے۔ غور و فکر تو آج ہم بھی نہیں کرتے، ہم تو بس چیزوں کو دیکھتے ہیں، ان سے استفادہ کرتے ہیں اور بس۔ اگرچہ ہر شئے اور ہر ذی حیات کے تخلیق و بناوٹ میں اللہ تعالیٰ کے وجود کی بے شمار نشانیاں موجود ہیں۔

بہرحال پرندوں کے بارے میں ابتدائی غور فکر کا آغاز 1861ء میں یورپ کے ملک جرمنی میں ہوا۔ پھر بعد میں آنے والے زمانوں میں ماہرین حیاتیات نے پرندوں کے بارے میں بے شمار معلومات حاصل کیں اور ان معلومات کے ذریعے بے شمار فوائد بھی۔ لیکن آج تک ماہرین حیاتیات نے پرندوں کی ساخت، بناوٹ، ان کے پیروں کی خاصیت، ان کے بازوؤں کی طاقت، ان کے اڑنے کی اعلیٰ صلاحیتوں کے بارے میں جو کچھ معلوم کیا ہے، اسے مختصر اور جامع انداز میں امام جعفر صادق علیہ السلام آج کے ماہرین حیاتیات اور سائنس دانوں کے پیدا ہونے سے کم و بیش ہزار سال پہلے مفضل ابن عمرؓ سے بیان فرما چکے تھے۔

آپ پرندوں کے بارے میں مغرب سے شائع ہونے والی کتابیں دیکھیں یا نیٹ پر سرچ کریں تو وہاں آپ کو وہی معلومات ملیں گی جنہیں آپ امامؑ کی زبانی اس باب اور آیندہ ابواب میں ملاحظہ کریں گے۔

پرندے قدرت کا عظیم شاہکار

امام علیہ السلام نے فرمایا:

"مفضل! تم نے مجھ سے پرندوں کا احوال بیان کرنے کے

لئے کہا تھا تو دیکھو! پرندوں کی زندگی کا انداز چوپائیوں وغیرہ سے بہت مختلف ہے اسی لیے انہیں وہ جسمانی ساخت عطا کی گئی ہے جو اُن کے حسبِ حال، حسبِ ضرورت ہے۔

پرندوں کے لئے چونکہ یہ مقرر ہوا کہ یہ فضا میں اڑیں گے تو ان کے جسم بھی اسی مناسبت سے خلق کئے گئے۔ ان کے جسم ہلکے، کم وزن اور سمٹے ہوئے بنائے گئے۔ چار پیروں کی جگہ انہیں صرف دو پیر دیے گئے ہیں اور پانچ انگلیوں کے بجائے چار انگلیاں تاکہ وہ شاخ کو مضبوطی سے تھام سکیں اور اگر گوشت خور پرندہ ہے تو غذا کو بہ آسانی اٹھا سکے۔

ان کے جسم میں فضلے کے اخراج کے لئے دو کے بجائے ایک سوراخ پیدا کیا گیا ہے۔ (پرندے پیشاب نہیں کرتے۔ پانی ان کے فضلے کے ساتھ خارج ہوتا ہے) ان کے سینے کو اس طرح بنایا گیا ہے کہ (پرواز کے دوران) ہوا کی مزاحمت کا کم سے کم سامنا ہو۔ ان کے سینے کی بناوٹ ایسی ہے جو پرندوں کو پرواز کے دوران بہ آسانی ہوا کو کاٹنے اور ادھر ادھر مڑنے میں مدد دیتی ہے۔

(پرندوں کا سینہ اگر چوڑا ہوتا تو انہیں ہوا کو چیر کر اس میں آگے بڑھنے میں سخت دشواری پیش آتی اور انہیں زیادہ توانائی کی ضرورت پڑتی۔ اسی لئے پرندوں کا سینہ کشتی کے اگلے حصے کی طرح ہوتا ہے، سیدھا اور نوکیلا ۔ کشتی اپنی اسی بناوٹ کے سبب پانی کی لہروں کو چیر کر آگے بڑھتی ہے۔)

دُم، پَر اور بازو

امام علیہ السلام نے فرمایا:

"پرندے کے بازوؤں اور دم میں مضبوط اور لمبے پر پیدا کئے گئے تا کہ وہ ان کے ذریعے فضا میں اُڑ سکے اور اڑتے وقت اپنا توازن بھی برقرار رکھ سکے۔ پھر اس کے تمام جسم کو (چھوٹے چھوٹے بے شمار) پروں سے ڈھانپ دیا گیا تا کہ ہوا پرندوں کو فضا میں بلند کر سکے۔

غذا کی مناسبت سے چونچ

"مفضل! دیکھو پرندوں کی غذا، دانہ اور گوشت (یا مچھلی) مقرر و مقدر کی گئی ہے جسے وہ چبائے بغیر براہ راست نگل جاتے ہیں تو پرندے کی خلقت میں سے دانت کم کر دیے گئے۔ اس کے بدلے اسے سخت چونچ دی گئی۔ ایسی چونچ جس سے وہ اپنے کھانے کی چیزوں کو اٹھا سکے۔ یہ چونچ سخت اور مضبوط لیکن اتنی ہلکی ہوتی ہے کہ نہ دانے کو اٹھانے سے چھلتی ہے اور نہ گوشت کو نوچنے سے ٹوٹتی ہے۔ مختلف پرندوں کی چونچیں ان کے ماحول اور غذا کی مناسبت سے ہوتی ہیں۔ مثلاً عقاب چونکہ گوشت کھاتے ہیں اس لئے ان کی چونچ نوکیلی اور پنجے سخت ہوتے ہیں۔ جب کہ دانہ کھانے والی چڑیوں کی چونچیں نوکیلی اور چھوٹی ہوتی ہیں۔"

نوٹ: پرواز کے لئے ایندھن

فضا میں پرواز کرنے والے ہوائی جہازوں کی طرح پرندوں کو بھی زیادہ ایندھن استعمال کرنا پڑتا ہے۔ان کی پرواز کے لئے یہ ایندھن آکسیجن کی صورت میں فضا میں بڑی مقدار میں موجود ہوتا ہے۔زیادہ آکسیجن استعمال کرنے کے لئے خالق کائنات نے پرندوں کے جسموں میں اسی مناسبت سے اضافی انتظامات کئے ہیں۔اس مقصد کے لئے اللہ تعالٰی نے پرندوں کے پٹھے (Muscles) اس طرح کے بنائے ہیں کہ وہ دودھ پلانے والے جانوروں سے 20 گنا زیادہ آکسیجن استعمال کرتے ہیں اور آکسیجن کو جلا کر اس سے توانائی حاصل کر سکتے ہیں۔

پرندوں کے پھیپھڑوں میں اسی مناسبت سے زیادہ آکسیجن بھرنے کی گنجائش ہوتی ہے۔ان کے پھیپھڑوں میں انسانوں کے پھیپھڑوں کے مقابلے میں زیادہ چیمبرز ہوتے ہیں اور یہ پرندے کی جلد سے قریب تر ہوتے ہیں تاکہ جسم آکسیجن کو تیز رفتاری سے استعمال کر سکے۔

پرندوں کے جسم کی ہڈیاں

پرندوں کی زندگی چونکہ فضا میں پرواز کرنے میں گزرتی ہے تو اللہ تعالٰی نے ان کے جسم میں کم ہڈیاں پیدا کیں اور ان میں سے بھی زیادہ تر کھوکھلی اور بہت ہلکی ہوتی ہیں۔ان کی ہڈیوں اور دودھ پلانے والے جانوروں کی ہڈیوں میں تقریباً وہی فرق ہوتا ہے جو لکڑی اور تھرماکول کے درمیان ہوسکتا ہے۔پرندوں کے جسم میں مثانہ پیدا نہیں کیا گیا۔اگر ان کے مثانہ ہوتا تو اس میں جسم کا زہریلا مواد جمع ہوتا اور پرندے کے وزن میں اضافہ کرتا اور یہ اضافہ اس کی پرواز میں رکاوٹ پیدا کرتا۔

پرندوں کی آنکھیں اور ان کی بصارت

جنگل کی فضاؤں میں اڑنے ، گھنے جنگلوں،میدانوں،تالابوں ،جھیلوں اور سمندروں میں شکار یا دانہ تلاش کرنے ، دشمنوں پر نظر رکھنے، دشمنوں سے بچنے اور درختوں کی شاخوں سے

ٹکرانے سے محفوظ رہنے کے لئے پرندوں کو بہترین بصارت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی لئے کئی اقسام کے پرندوں کی آنکھیں، ان کے دماغ سے بھی بڑی ہوتی ہیں۔ ایک عقاب اپنے شکار کو آٹھ کلومیٹر کے فاصلے سے بہ خوبی دیکھ سکتا ہے۔ اس عقاب کے اڑنے کی رفتار 175 کلومیٹر فی گھنٹا ہوتی ہے۔ بہت سے پرندے لمبی پروازیں کرتے ہیں اور اپنی زندگی میں ساری دنیا کے گرد ایک چکر ضرور مکمل کر چکے ہوتے ہیں۔

پرندوں کی اقسام

دنیا بھر میں پرندوں کی ساڑھے آٹھ ہزار اقسام پائی جاتی ہیں۔ ان میں سب سے وزنی پرندہ شتر مرغ ہے جس کا وزن 125 کلوگرام ہوتا ہے جب کہ سب سے کم وزن پرندہ ہمنگ برڈ ہے جس کا وزن بہ مشکل 2 گرام کے قریب ہوتا ہے۔ فضا میں اڑنے والوں پرندوں کے علاوہ حشرات (Insects) اور ایک دودھ پلانے والا جانور یعنی چمگادڑ بھی شامل ہے۔

پرندوں کی گردن

گدھ، مردار جانوروں کو غذا بناتے ہیں تو ان کی چونچ سخت نوکیلی اور ان کی گردن لمبی ہوتی ہے تاکہ وہ مردار جانور کے ڈھانچے کے اندرونی حصوں تک پہنچ سکے۔ اسی طرح چڑیاں دانہ کھاتی ہیں تو ان کی چونچ چھوٹی ہوتی ہے۔ جب کہ آبی پرندوں کی چونچ چوڑی اور بڑی ہوتی ہے اور گردن لمبی تاکہ وہ پانی کے اندر سے غذا ٹٹول سکیں اور مچھلیوں یا کیڑوں کو آسانی سے پکڑ سکیں۔ (حوالہ: Amazing Facts About Animals)

پرندوں کے معدے

امام علیہ السلام نے فرمایا:

''پرندے چونکہ دانے یا گوشت کو بغیر چبائے، سالم نگل لیتے ہیں

اس لیے ان کے معدوں کے اندر زیادہ حرارت (تیزابی مادے جو

غذا کو ہضم کرنے میں مدد دیتے ہیں) پیدا کی گئی تا کہ کچا گوشت اور بیج وغیرہ جلد ہضم ہوسکیں۔ تم دیکھو! انگور وغیرہ کے بیج آدمی کے پیٹ سے سالم نکل آتے ہیں لیکن پرندے کے پیٹ میں جا کر اس قدر گل جاتے ہیں کہ وہ ان کی بیٹ (فضلے) میں نظر نہیں آتے۔

(پرندوں کے معدے غذا کو تیزی رفتاری سے ہضم کرتے ہیں اور ان کا فضلہ مختصر وقفوں کے ساتھ جسم سے نکلتا رہتا ہے تا کہ پرندے کا وزن بڑھنے نہ پائے)

باب : 10

پرندے انڈے دیتے ہیں، بچے کیوں نہیں دیتے؟

یہ ایک حیران کن سوال ہے۔ دیکھیں! چوپائے جانور، دودھ پلانے والے جانور، خواہ وہ درندے ہوں یا چرندے، یہ سب جانور بچے دیتے ہیں جب کہ پرندوں میں صرف چمگادڑ ہے جو بچے دیتی ہے۔ باقی پرندوں میں ایسا کیوں ہوا کہ وہ انڈے دیتے ہیں اور انڈوں میں سے بچے نکلتے ہیں؟

یہ سوال سب سے پہلے امام جعفر صادقؑ نے اٹھایا اور خود ہی اس کا جواب دیا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے مفضّل ابن عمرؓ سے اللہ تعالیٰ کی وہ حکمتیں بیان فرمائیں جو پرندوں کے انڈے دینے میں موجود ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:

"مفضل! دیکھو پرندوں کے لئے یہ مقدر ہوا کہ وہ ہوا میں اڑا کریں گے تو ان کے جسم ہلکے بنائے گئے۔ اس لئے کہ بھاری جسم کے ساتھ ان کا اڑنا مشکل ہو جاتا۔ اسی وجہ سے پرندوں کی افزائش نسل کے نظام میں بھی چوپایوں کی نسبت تبدیلی پیدا کی گئی۔

کچھ پرندے ایک مرتبہ میں صرف ایک یا دو انڈے دیتے ہیں لیکن کئی دوسری طرح کے پرندے زیادہ انڈے دیتے ہیں۔

بعض پرندے ایک مرتبہ میں چار یا چھ انڈے دیتے

ہیں۔ اس کے برعکس بچے مادّہ پرندے کے پیٹ میں نشوونما پاتے اور مکمل ہونے کے بعد پیدا ہوا کرتے تو مادہ پرندے کا وزن بڑھ جاتا۔ اس کے نتیجے میں وہ اُڑنے سے معذور ہو جاتی۔ اس طرح نہ وہ دانا دنکا چگنے کے لئے بار بار دور تک پرواز کرسکتی اور نہ دشمنوں سے اپنی حفاظت کرسکتی اور بہت جلد کسی شکاری پرندے کی خوراک بن جاتی۔

اب تم دیکھو! کہ پرندوں کی خلقت میں یہ انتظام پرندوں کے طرز زندگی اور ان کی ضروریات سے کس قدر ہم آہنگ ہے۔ پرندے کی خلقت اور اس کی جسمانی ساخت میں ہر چیز اسی مناسبت کے ساتھ پیدا کی گئی جس صورت سے اس کا ہونا مقدر ہو چکا تھا۔ (یعنی جیسا کہ پرندے کی خلقت سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات تھی کہ پرندوں کی ضروریات زندگی، غذا، ماحول اور ان کی غرض خلقت کیا ہوگی اس لئے ان کی ساخت میں ہر وہ چیز پیدا کی گئی جو ان کے لئے ضروری تھی۔)

انڈوں میں وقفہ

”مفضل! پھر یہ بھی مقدر ہوا کہ پرندے فضائے آسمانی میں پرواز کریں گے تو وہ اپنے جسم کو ہلکا رکھیں۔ یعنی بچے دینے کے بجائے وقفوں کے ساتھ ایک ایک کر کے انڈا دیں اور جب

انڈے جمع ہو جائیں تو دو یا تین ہفتے تک انہیں اپنے پروں کے نیچے رکھیں (تاکہ جسم کی گرمی سے انڈے سے بچہ بن سکے)۔

(پرندے ایک ایک دن کے وقفے سے انڈے دیتے ہیں۔ اس طرح مادہ کا وزن بڑھنے نہیں پاتا۔ جب دو چار یا چھ انڈے گھونسلے میں جمع ہو جاتے ہیں تو مادہ اور نر پرندہ باری باری ان انڈوں پر بیٹھتے ہیں اور انہیں الٹتے پلٹتے رہتے ہیں تاکہ انڈے کو ہر طرف سے جسم کی گرمی یا توانائی مل سکے۔)

بچوں کو غذا فراہم کرنا

امام علیہ السلام نے فرمایا:

"تم دیکھو کہ اس دوران پرندے (نر و مادہ) کس طرح انڈوں کی حفاظت کرتے ہیں اور جب بچے نکل آتے ہیں تو دونوں کس قدر کوشش اور جدوجہد کے ساتھ ان بچوں کے لئے غذا لے کر آتے ہیں۔ غذا دینے سے پہلے ماں باپ بچے کی چونچ میں چونچ ڈال کر پہلے ہوا بھراتے ہیں تاکہ ان کا پوٹا غذا کو وصول کرنے کے لئے اچھی طرح کھل جائے۔

اس کے بعد پرندے اپنے بچوں کو غذا دینا شروع کرتے ہیں۔ پرندے کو دیکھو کہ وہ پہلے دانے چنتا ہے اور اپنے پوٹے میں بھر لیتا ہے اور کچھ دیر کے بعد اس غذا کو بچوں کو بھرانا شروع کرتا ہے۔

(پوٹے میں جا کر دانے پوٹے کے اندر موجود بعض خامروں کے

ذریعے ہاضمے کے قابل ہو جاتے ہیں اس کے بعد پرندے انہیں بچوں کو کھلاتے ہیں)

بچوں کو پالنے میں پرندوں کا کیا فائدہ؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

''تم نے دیکھا ہوگا کہ پرندے اپنے بچوں کو غذا پہنچانے، ان کی نگہداشت کرنے اور انہیں پروان چڑھانے میں کس قدر محنت، جدوجہد اور جانفشانی سے کام کرتے ہیں۔ اپنے انڈوں اور بچوں کو بچانے کے لئے اپنی جان تک خطرے میں ڈال دیتے ہیں....

تو پرندے آخر ایسا کیوں کرتے ہیں؟ حالانکہ انہیں انسانوں کی طرح نہ اولاد کے ذریعے نسل قائم رکھنے کی خواہش ہوتی ہے اور نہ پرندوں کو یہ امید ہوتی ہے کہ بچے بڑے ہوں گے تو ان کے قوت بازو بنیں گے، بڑھاپے میں ان کی خدمت کریں گے یا اپنے علم، دولت اور صلاحیتوں سے ماں باپ کا نام روشن کریں گے۔

پرندوں کو اپنے بچوں سے ان میں سے کوئی بھی فائدہ پہنچنے والا نہیں ہوتا لیکن بچوں کی پرورش و نگہداشت میں ان کی جاں فشانی ایک ایسا فعل ہے جو گواہی دے رہا ہے کہ اللہ جل شانہ نے پرندوں کی فطرت (Genes) میں بات ودیعت کی

ہے کہ یہ کسی نفع نقصان کی فکر کے بغیر اپنے بچوں کی پرورش کریں تا کہ ان کی نسلیں اور اقسام اپنے ماحول میں باقی رہیں اور ماحول کو برقرار رکھنے میں وہ کردار ادا کریں جو کردار اللہ تعالیٰ کو ان سے مطلوب ہے۔"

مرغی کو دیکھو!

امام علیہ السلام نے فرمایا:

"مفضل! مرغی کو دیکھو کہ انڈے، سینے اور بچے نکالنے کے لئے کس قدر بے قرار ہوتی ہے۔ حالانکہ نہ اس کے انڈے یکجا ہوتے ہیں اور نہ اس کا کوئی باقاعدہ گھونسلا ہوتا ہے۔ ان دنوں میں مرغی پھولتی اور کڑکڑاتی رہتی ہے۔ کھانا پینا تک چھوڑ دیتی ہے۔ پھر جب اس کے سارے انڈے جمع کر کے ایک جگہ رکھ دیے جاتے ہیں تو وہ انہیں اپنے پروں میں چھپا لیتی ہے اور انہیں گرمی پہنچاتی ہے تا کہ انڈوں سے بچے نکل سکیں۔

تو غور کرنا چاہیے اس بات پر کہ یہ سب کچھ کیوں ہوتا ہے؟ کون مرغی کو یہ باتیں کون بتاتا ہے؟ اگر یہ سب باتیں کوئی انسان مرغی کو سکھانا چاہے تو کیا سکھا سکتا ہے؟ تو ضرور کوئی ذات ہے جس نے مرغی کو پیدا کیا اور یہ سب باتیں اس کی فطرت میں پیدا کر دیں کہ اسے کب، کیا اور کس طرح کرنا ہے۔

کیا کوئی انسان مرغی کے جسم کے اندر انڈے پیدا کر سکتا ہے اور مرغی کو ان انڈوں کو سینے اور بقائے نسل کے لئے مجبور کر سکتا ہے؟ مرغی میں ایسی عقل و شعور بھی نہیں کہ وہ خود یہ فیصلہ کرے کہ میں انڈے دوں، انہیں اتنے عرصے تک پروں کے نیچے رکھوں تاکہ انڈوں میں سے بچے نکلیں اور دنیا میں میری نسل قائم رہے۔"

(تو ہمیں ماننا پڑے گا کہ کوئی ہے جس نے مرغی کو پیدا کیا ہے اور مخصوص فطرت کے مطابق پیدا کیا ہے۔)

باب: 11

خلقت سے پہلے غذا کا انتظام

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"ذرا غور کرو انڈے کی ساخت اور اس کے اندر موجود بستہ (جمی ہوئی، ٹھہری ہوئی) زردی اور رقیق (نیم سیال) سفیدی پر۔ تم دیکھو گے کہ انڈے کے اندر یہ دو چیزیں ہیں اور دونوں ہی سیال ہیں۔

ان میں سے ایک یعنی زردی تو اس لئے بنائی گئی کہ اس سے چوزہ پیدا ہو اور سفیدی کو اس چوزے کی غذا بنایا گیا، اس وقت تک کے لئے کہ جب تک چوزہ مکمل ہو کر انڈے سے باہر نکلے۔

دیکھو کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی کیا حکمت ہے کہ بچے کی خلقت محفوظ چھلکے میں مکمل ہوتی ہے جو ہر طرف سے بند ہے۔ اس کے اندر، باہر سے کوئی غذا نہیں پہنچائی جا سکتی۔ اسی لیے پیدا ہونے والے چوزے کی غذا، اس کی خلقت سے پہلے ہی وہاں رکھ دی گئی"۔

(یہ غذا نہ ضرورت سے کم ہوتی ہے اور نہ زیادہ۔ اس کی مقدار ٹھیک اتنی ہوتی ہے کہ چوزے کے مکمل ہونے سے انڈے سے باہر نکلنے تک کے لئے کافی ہو)

نوٹ: انڈا، ایک عجوبہ

پرندوں کے انڈے بھی ایک الگ دنیا ہیں۔ مرغی کا انڈا ہمارے لئے ایک غذا ہے لیکن ماہرین حیاتیات کے نزدیک یہ قدرت کا ایک حیران کن شاہکار ہے۔ انڈے کے اندر موجود زردی دراصل مرغے اور مرغی کے اختلاط سے پیدا ہونے والے ایک بار آور خلیے (Cell) اور اس ایک خلیے سے بہت سارے ایک ہی جیسے، ایک ہی خصوصیات رکھنے والے خلیوں کا مجموعہ ہوتی ہے۔ اس زردی کے اندر مرغ اور مرغی کی اوپر والی نسلوں کی تمام خصوصیات موجود ہوتی ہیں۔ جنہیں ان کی نسلوں میں منتقل ہونا ہوتا ہے۔

خلیے کے اندر DNA پر بے شمار ہدایات ہوتی ہیں کہ ان خلیوں کو کیا بنانا ہے، کس طرح اور کتنی مدت میں بنانا ہے۔ جو چوزہ بنے گا اس کا رنگ، قد، پَر، چونچ اور دوسرے اعضاء کیسے ہوں گے۔ پَروں کا رنگ کس کس جگہ پر کس کس طرح کا ہوگا۔ کون سا رنگ کہاں آئے گا......وغیرہ وغیرہ۔

سفیدی کے اندر چوزے کی ضرورت کا پانی موجود ہوتا ہے۔ زردی چوزے کی غذا ہوتی ہے یہ زردی خلیوں کے مجموعے کو ہر طرف سے گھیرے ہوتی ہے۔

خلیوں سے چوزہ وجود میں آتا ہے تو اس کی غذا اس کے اردگرد موجود ہوتی ہے۔ چوزے کے مکمل ہوتے ہوتے انڈے کے ایک سرے پر اندرونی تہہ اور چھلکے کے درمیان ہوا جمع ہو جاتی ہے۔ یہ جگہ زردی اور پانی کے کم ہونے سے پیدا ہوتی ہے اور انڈے کے چھلکے میں موجود مسامات سے اس جگہ میں داخل ہوتی ہے۔ انڈے سے نکلنے سے چند دن پہلے تک چوزا اسی جگہ سے آکسیجن حاصل کرتا ہے اور اسی جگہ سے انڈے کو چٹخاتا ہے اور بیرونی دنیا سے تازہ آکسیجن حاصل کرنا شروع کر دیتا ہے اور ایک یا دو دن بعد انڈے سے باہر آ جاتا ہے۔

انڈوں کو مستقل الٹا پلٹا جاتا رہتا ہے اس لیے زردی کی دونوں جانب پروٹین سے بنی ہوئی ڈوریاں ہوتی ہیں۔ یہ ڈوریاں دونوں طرف بل کھا سکتی ہیں۔ ان ڈوریوں کو (Chalazae) کہا جاتا ہے۔ انڈے کو کتنا ہی الٹا پلٹا جائے لیکن زردی اور سفیدی ایک دوسرے میں مکس نہیں

ہوتیں تو اس کی وجہ پروٹین سے بنی یہ خاص ڈوریاں ہی ہوتی ہیں۔ انڈے کی یہ ڈوریاں ہی زردی کو دوبارہ اصل مقام پر لے آتی ہیں۔ (حوالہ: How The Nature Works)

ایک دہریے سے گفتگو

ایک شخص جس کا نام ابوشاکر دیصانی تھا، امام علیہ السلام کی خدمت میں آیا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ یہ سب چیزیں بغیر کسی پیدا کرنے والے کے پیدا ہوئی ہیں۔ وہ اللہ کے وجود کا انکار کرتا تھا۔ اس نے امام علیہ السلام سے سوال کیا۔ ''جعفر بن محمد! مجھے معبود (کارسازِ حقیقی) کے بارے میں بتایئے کہ وہ ہے۔''

اسی وقت ایک بچہ ایک انڈا ہاتھ میں لئے ہوئے اندر آیا۔ امام علیہ السلام نے وہ انڈا بچے سے لے لیا اور ابوشاکر کے سامنے رکھ کر اس سے کہا۔

''دیکھو! یہ انڈا ایک قلعے کی طرح ہے۔ اس کے اوپر سخت اور موٹی جلد (چھلکا) ہے اور اس موٹی جلد کے نیچے ایک باریک جلد (تہہ) ہے اور اس باریک تہہ کے اندر پگھلا ہوا سونا (زردی) اور پگھلی ہوئی چاندی (سفیدی) ہے۔ حیران کن بات یہ ہے کہ نہ تو پگھلی ہوئی چاندی پگھلے ہوئے سونے سے مخلوط ہوتی ہے اور نہ پگھلا ہوا سونا چاندی سے مخلوط ہوتا ہے۔'' (حالانکہ کہ انڈے کو ہلایا جلایا بھی جاتا ہے اور مرغی بھی سینے کے دوران اسے مستقل الٹتی پلٹتی رہتی ہے لیکن زردی اور سفید نیم سیال ہونے کے باوجود ایک دوسرے میں نہیں ملتیں۔ انڈے کے اندر دونوں چیزیں الگ الگ رہتی ہیں۔)

پھر تم یہ بھی دیکھو کہ نہ انڈے کے اندر سے کوئی نکل کر باہر

آتا ہے جو بتائے کہ اس نے انڈے کے اندر فلاں فلاں کام
کر دیے ہیں اور تم دیکھتے ہو کہ (سخت چھلکے کی وجہ سے) کوئی چیز بھی
انڈے میں داخل نہیں ہوتی جس کی وجہ سے ہم سمجھیں کہ اس کی
وجہ سے انڈے کے اندر کوئی تبدیلی پیدا ہوگئی ہوگی۔

اس انڈے سے نر پیدا ہوگا یا مادہ، یہ بھی اس انڈے کو
دیکھ کر تم نہیں بتا سکتے۔ لیکن تم دیکھتے ہو کہ انہی (اسی طرح کے)
انڈوں سے طرح طرح کی شکل وصورت کے رنگ برنگے
پرندے پیدا ہوتے ہیں۔ تو کیا (تم سمجھتے ہو کہ) یہ ساری شکلیں،
صورتیں اور طرح طرح کے رنگ خود بہ خود پیدا ہو گئے اور اس
کا کوئی خالق و مدبر (انتظام کرنے والا) نہیں ہے۔"

نوٹ: انڈوں کو گرمی پہنچانے کے انتظامات

عام خیال یہی ہے کہ پرندے اپنے انڈوں کو اپنے پروں میں چھپاتے ہیں اور انہیں گرمی پہنچاتے ہیں لیکن اگر اس عمل کو بھی غور سے دیکھا جائے تو عقل حیران رہ جاتی ہے۔ پرندوں کے انڈوں میں ایک خاص مدت تک ایک خاص درجہ حرارت پہنچنے کے بعد ان میں سے بچے نکلتے ہیں۔ یہ درجہ حرارت صرف پروں کے ذریعے انڈوں کو نہیں پہنچایا جا سکتا۔ اسی لئے قدرت نے اس کے لئے الگ سے انتظامات کیے ہیں۔ اس مقصد کے لئے پرندے کے پیٹ کے نیچے، یا اس کے سینے کے قریب ایک عضو ہوتا ہے جسے Brood Patch کہا جاتا ہے۔ یہ جگہ پروں سے خالی ہوتی ہے یہاں صرف جلد ہوتی ہے۔ یہاں خون کی زیادہ نالیاں پائی جاتی ہیں جن کے سبب یہاں خون زیادہ مقدار میں آتا ہے۔ اسی لئے یہاں کا درجہ حرارت بھی زیادہ رہتا ہے۔

پرندوں کے انڈوں سے بچے نکلنے کے لئے انڈوں کو ہر وقت 99.5 فارن ہائیٹ یا 37.5 سینٹی گریڈ درجہ حرارت کی ضرورت پڑتی ہے۔ پرندے اس درجہ حرارت کا شعور رکھتے ہیں اسی لئے صحرائی علاقوں کے پرندے باہر درجہ حرارت زیادہ ہونے کی وجہ سے اپنے انڈوں کو اپنے سائے میں رکھتے ہیں اور اکثر خود کو پانی میں بھگو کر انڈوں پر بیٹھتے ہیں تاکہ درجہ حرارت معمول کے مطابق برقرار رہے۔

برفانی علاقوں کے پرندے مثلاً پنگوئن وغیرہ اپنے انڈوں کو سخت سردی یا کم درجہ حرارت سے بچانے کے لئے انہیں برف پر رکھنے کے بجائے اپنے پنجوں پر لے کر کھڑے رہتے ہیں اور انھیں اپنے پروں سے ڈھک دیتے ہیں۔ حوالہ: The way nature works
How the nature works

دانہ چگنے کا انداز

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"مفضل! تم نے دیکھا ہوگا کہ پرندے جلدی جلدی دانا چگتے ہیں۔ انہیں دشمن کا خوف لگا رہتا ہے۔ ذرا سی آہٹ ہوتی ہے تو یہ اُڑ جاتے ہیں اور ذرا دیر بعد پھر دانہ چگنے آجاتے ہیں تو ذرا پرندوں کے دانہ کھانے کے انداز اور ان کے پوٹوں پر اور اللہ کی اس حکمت پر غور کرو، جو اس میں قائم کی گئی ہے۔

دیکھو! اس غذا کے سنگ دانے (یعنی معدے) تک پہنچنے کا راستہ بہت تنگ ہے۔ تھوڑی تھوڑی کر کے غذا اس میں پہنچتی ہے۔ تو اگر ایسا ہوتا کہ جب پہلا دانہ سنگ دانے میں پہنچ جاتا اس کے بعد پرندہ دوسرے دانے کو چگتا تو اسے بڑی دیر لگتی۔

لیکن پرندے کو دانے یا غذا کو کھانا ہی ہے اور جلدی جلدی میں کھانا ہے۔ اس لیے قدرت نے پرندے کی گردن کے قریب ایک (بٹوے جیسا) پوٹا خلق کیا۔ یہ پوٹا اس کے لئے ایک تھیلے کا کام کرتا ہے۔ پرندہ جلدی جلدی میں جو ملتا ہے اسے چگ لیتا ہے اور اپنے پوٹے کو بھر لیتا ہے۔ پھر یہ غذا تھوڑی تھوڑی ہو کر اس کے سنگ دانے تک پہنچتی ہے اور وہاں جا کر ہضم ہوتی ہے۔"

(واضح رہے کہ دانہ کھانے والے پرندے دانے کے ساتھ ساتھ چھوٹی چھوٹی کنکریاں بھی چگ لیتے ہیں اور یہ کنکریاں ان کے سنگ دانے (معدے) میں جا کر غذا کو ہضم کرنے میں مدد فراہم کرتی ہیں بالکل اسی طرح جیسے ریشے دار غذائیں انسانوں کو کھانا ہضم کرنے میں مدد دیتی ہیں۔)

پوٹے کا ایک اور فائدہ

امام علیہ السلام نے فرمایا:

"مفضل! اس پوٹے کا ایک اور بھی فائدہ ہے۔ اس پوٹے کی وجہ سے پرندوں کو اپنے بچوں کو بھرانے میں بڑی آسانی ہوتی ہے۔ پوٹا، چونچ اور گردن کے قریب ہوتا ہے وہاں سے غذا کو نکال کر بچے کو بھرانا آسان ہوتا ہے۔ (مثلاً اگر پرندے کی غذا براہِ راست اس کے سنگ دانے میں جایا کرتی تو وہاں سے غذا کو نکال کر بچے کے منہ میں دینا مشکل ہو جاتا اور اس میں دیر بھی لگتی پوٹا، چونچ اور گردن کے قریب ہوتا ہے وہاں سے غذا کو نکال کر بچے کو بھرانا آسان ہوتا ہے۔

پوٹے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ غذا پرندے کے پوٹے میں جا کر وہاں موجود غذا کو قابل ہضم بنانے والی رطوبتوں سے ملتی ہے تو اس غذا کا ہضم کرنا پرندے کے بچوں کے لئے زیادہ آسان ہوتا ہے۔

اس موقع پر مفضل ابن عمرؓ نے سوال کیا۔

''آقا! ایک فرقے کے کچھ لوگوں کا کہنا ہے پرندوں کی شکل وصورت اور رنگوں کا مختلف ہونا، مختلف عناصر کے امتزاج اور ان عناصر کی کمی بیشی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ کسی نے پرندوں کو خاص طور پر اس طرح الگ الگ طرح کا نہیں بنایا۔

(اگر اس بات کو درست مان لیا جائے تو سوال یہ پیدا ہوگا کہ خود عناصر کہاں سے آئے، کس نے انہیں خلق کیا۔ کس نے ان بے روح عناصر میں مختلف صفات وخصوصیات پیدا کیں۔ یہ بات محالات وناممکنات میں سے ہے کہ ان بے شعور عناصر نے خود ہی اپنے آپ کو پیدا کر لیا ہو جب کہ وہ اس سے پہلے وجود ہی نہیں رکھتے تھے۔ بہر حال......)

ذرا مور کے پَروں کو دیکھو

امام علیہ السلام نے مفضل کے سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا:

''تم ذرا مور اور تیتر وغیرہ کو دیکھو۔ ان کے پَروں کے رنگوں اور ان کی مناسبتوں پر غور کرو۔ قدرت کی یہ گل کاریاں جنہیں تم مور، تیتر (یا دوسرے پرندوں) میں دیکھتے ہو، کس قدر حیران کن ہیں۔ پَروں کے رنگوں میں یہ حسنِ ترتیب، شکل وصورت میں یہ تناسب

(کیا بغیر کسی خالق کے پیدا ہو سکتا تھا)

مور کو دیکھو۔ اس کے بازوؤں، دُم یا سینے کے پروں پر غور کرو...... جیسا اور جس رنگ کا پر ایک بازو پر، ایک خاص مقام پر موجود ہے، دوسرے بازو پر بھی بالکل اسی جگہ، اسی رنگ اور خاصیت کا پر تمہیں نظر آئے گا۔ رنگوں کے اندر بھی تم ایک خاص طرح کا حسن دیکھو گے کہ رنگوں کا جتنا اتار چڑھاؤ ایک جانب ہے، ویسا ہی اتار چڑھاؤ تمہیں دوسری طرف دکھائی دے گا۔ یہ سب ایسا ہی ہے جیسے کوئی مصور اپنے برش و قلم سے نقش بندی و مصوری کرتا ہے۔

یہ حسنِ تناسب، یہ رنگوں کی آمیزش، بے شعور عناصر کس طرح تیار کر سکتے تھے۔ اگر یہ رنگینیاں اور گل کاریاں بغیر کسی صانع کے ہوتیں تو یہ مساوات کس طرح ممکن تھی؟ ایسی صورت میں تمہیں ہر جگہ بے ترتیبی نظر آتی۔"

نوٹ: حسنِ تناسب کیا ہے؟

ہمیں ہر شئے اور ہر شکل و صورت کے اندر جو خوبصورتی نظر آتی ہے وہ حسنِ تناسب کے سبب محسوس ہوتی ہے۔ مثلاً آپ ایک خوش شکل انسان کی تصویر دیکھتے ہیں جو آپ کو اچھی لگتی ہے لیکن اسی تصویر کے اندر آپ قلم یا کمپیوٹر کے ذریعے ذرا سی تبدیلی پیدا کر دیں، مثلاً صرف اس کی ناک چھوٹی کر دیں یا کان بڑے کر دیں تو تصویر میں تناسب بگڑ جائے گا اور یہ تصویر، تصویر کے بجائے کارٹون کہلائے گی۔ اسی طرح کی بے اعتدالی اکثر ہمارے معاشرتی، سماجی حتیٰ کہ ذہنی و مذہبی رویوں میں بھی نظر آتی ہے اور ہمیں اچھے انسان کی تصویر کے بجائے اچھے انسان کے کارٹون میں تبدیل کر دیتی ہے۔

باب : 12

پرندوں کے پَروں کی بناوٹ

امام جعفر صادق علیہ السلام نے ساتویں صدی عیسوی میں علم الحیوانات کو اس قدر جزیات کے ساتھ بیان فرمایا جس کا تصور کرنا بھی امام علیہ السلام کے عہد سے صدیوں پہلے اور صدیوں بعد تک کے انسان کے لیے ممکن نہ تھا۔

امام علیہ السلام نے مفضل ابن عمرؓ سے فرمایا:

"تم نے کبھی پرندے کے پَر کی ساخت اور بناوٹ پر غور کیا ہے۔ اسے قریب سے اور توجہ کے ساتھ دیکھو گے تو تمہیں لگے گا کہ جیسے کپڑا تیلیوں کی مدد سے بُنا جاتا ہے اسی طرح پرندے کے پَر کو بھی بُنا گیا ہے۔ اس کے ریشے ایک دوسرے سے ملے ہوئے نظر آئیں گے جیسے ایک دھاگا دوسرے دھاگے میں پیوست ہوتا ہے۔

"جب تم اسے کھولو گے تو ذرا سا کھل جائے گا، پھٹے گا نہیں۔ اس کی یہ ساخت اس لئے ہے کہ پرندہ جب اڑنا چاہے تو ہوا کی مدد سے فضا میں بلند ہو سکے۔

پرندے کے پروں کی بناوٹ اس طرح ہے کہ پَر کے درمیان میں ایک سینک (پتلی سی لیکن سخت سلائی) تمہیں دکھائی دے گی، اس سلائی کے دونوں طرف بالوں سے ملتی جلتی ایک چیز بنی

ہوئی ہے تاکہ سلائی اپنی سختی کی وجہ سے پر کے ریشوں کو سنبھالے رہے۔ تم دیکھو گے کہ یہ سلائی جس کے اِدھر اُدھر ایک پَر تشکیل پاتا ہے، یہ اندر سے کھوکھلی ہونے کے باوجود سخت اور مضبوط ہوتی ہے۔ یہ سلائی اندر سے کھوکھلی اس لئے بنائی گئی ہے کہ پرندے کا وزن بڑھنے نہ پائے اور یہ وزن اس کی پرواز کی راہ میں رکاوٹ نہ پیدا کرے۔"

نوٹ: پَر اور ان کی اقسام

پرندوں کے پر، ان کی اقسام، ضروریات اور ماحول کے مطابق مختلف طرح کے ہوتے ہیں پھر پرندے کے جسم کے مختلف حصوں میں بھی مختلف طرح کے پَر ہوتے ہیں۔ یہ سارے پَر مل کر پرندوں کو سردی سے بچاتے ہیں، انہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچے، ہوا میں تیرتے رہنے، زمین یا پانی سے زور لگا کر اوپر اٹھنے، پرواز کے دوران رخ بدلنے اور پھر زمین یا درخت پر واپس آ کر بیٹھنے میں مدد فراہم کرتے ہیں۔

انسانوں یا دوسرے حیوانوں کی طرح پرندوں کا جسم بھی پروٹین سے بنا ہوتا ہے لیکن پرندوں کے پروں کی تعمیر میں جو پروٹین استعمال ہوتی ہے وہ دوسری اقسام کی پروٹین کے مقابلے میں بے حد ہلکی ہوتی ہے۔ پروٹین کی اس قسم کو کریٹن (Keratin) کہا جاتا ہے۔

یہ پروٹین کی وہی قسم ہے جس سے ہمارے بال بنتے ہیں۔ چرندوں کے کھر اور سینگ بھی اسی پروٹین سے بنتے ہیں۔ یہ ہلکی ہونے کے ساتھ بے حد مضبوط اور واٹر پروف ہوتی ہے۔ اس میں پانی جذب نہیں ہوتا اور پرندے بارش میں بھیگنے، یا پانی میں غوطہ لگانے کے باوجود اسی طرح ہلکے اور کم وزن رہتے ہیں۔

پَر کی اندرونی ساخت

اگر آپ پرندے کے کسی بھی پَر کا خردبین سے معائنہ کریں تو اس کی اندرونی ساخت دیکھ کر حیران رہ جائیں گے۔ پرندے کے پَر کے درمیان ایک سخت تیلی ہوتی ہے جو بے حد مضبوط لیکن ہلکی اور اندر سے کھوکھلی ہوتی ہے۔ پورے پَر کا تانا بانا اسی پر بُنا جاتا ہے۔ چھوٹے پروں یا رُوئیں کو ایک خاص سمت میں رکھنے کے لئے اس تیلی کے دونوں طرف شاخیں نکلی ہوتی ہیں جن پر رُواں پایا جاتا ہے۔

اس رُوئیں یا چھوٹے پروں کو ایک خاص سمت میں رکھنے کے لیے تیلی سے نکلنے والی شاخوں میں خاص طرح کے ہُک بنے ہوتے ہیں۔ اگر یہ رواں ہوا کے ٹکرانے سے مطلوبہ سمت میں نہ رہے تو پرندوں کو پرواز میں دشواری پیش آسکتی ہے اسی لئے آپ نے دیکھا ہوگا کہ پرندے جب سکون سے بیٹھتے ہیں تو اپنی چونچ کی مدد سے اپنے پروں کو بار بار سنوارتے رہتے ہیں۔

پرندوں کے پَر ان کی جلد یا کھال کی سطح میں موجود سوراخوں سے نکلتے ہیں بالکل اسی طرح جیسے ہمارے بال ہماری جلد سے باہر نکلتے ہیں۔ اگر آپ کسی بال کو نوچ لیتے ہیں تب بھی اس کی جڑ باقی رہتی ہے اور وہاں دوبارہ بال نکل آتا ہے۔ پرندوں کے ساتھ بھی اسی طرح ہوتا ہے۔

البتہ پرندوں کے پر جب کسی سبب سے خراب ہو جائیں تو پرندے ان پروں کو گرا دیتے ہیں پھر کچھ ہی دنوں میں ان کے نئے پَر نکلنا شروع ہو جاتے ہیں۔

لمبی گردن یا لمبی ٹانگیں

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"مفضل! کیا تم نے کسی لمبی ٹانگوں والے پرندے کو دیکھا ہے اور غور کیا ہے کہ اس کی ٹانگیں لمبی کیوں ہیں۔ اس کا آخر کیا فائدہ ہے؟

یہ پرندہ (مثلاً سارس) کم پانی میں آ کر کھڑا ہو جاتا ہے اور اپنی لمبی ٹانگوں اور لمبی گردن کی مدد سے دور دور تک دیکھ سکتا ہے۔ وہ گہرے پانی کے اندر بھی دور سے دیکھتا رہتا ہے اور غور کرتا رہتا ہے کہ گہرے پانی میں کہاں، کس چیز نے حرکت کی۔ جب وہ اپنی غذا (مچھلی وغیرہ) کو دیکھ لیتا ہے کہ وہ ذرا اوپر آئی تو وہ لمبے لمبے قدم اٹھا کر فوراً ہی اس جگہ پہنچ جاتا ہے اور اسے پکڑ لیتا ہے۔

مفضل! دیکھو اگر اس آبی پرندے کی ٹانگیں چھوٹی ہوتیں تو وہ جب پانی سے مچھلی وغیرہ کو پکڑنے کے لئے آگے بڑھتا تو اس کا پیٹ پانی میں ہوتا اور اسے تیزی سے آگے بڑھنے میں دشواری ہوتی (دوسرے، چھوٹی ٹانگوں کی وجہ سے وہ ایک جگہ کھڑے ہو کر دور تک نہیں دیکھ سکتا تھا کہ غذا پر نظر رکھ سکے)۔

اسی سبب سے اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے (لمبی ٹانگوں کی شکل میں) دو اونچے ستون بنائے جن پر بیٹھ کر وہ اپنی ضرورت کے مطابق دور تک دیکھ بھی سکتا ہے اور تیزی سے اپنی شکار تک پہنچ بھی سکتا ہے۔

پرندے کی ساخت، ضرورت کے مطابق۔

مفضل! یہ تو میں نے ایک پرندے کی مثال دی لیکن اور

بہت ساری اقسام کے پرندے بھی ہیں۔ تم دیکھو گے کہ ہر پرندے کی ساخت اور اعضاء اس کی غذائی ضروریات کے مطابق بنائے گئے ہیں۔

مثلاً تم دیکھو گے کہ جس پرندے کی ٹانگیں لمبی ہوتی ہے اس کی گردن بھی لمبی ہوتی ہے (ایسا نہیں ہوگا کہ ٹانگیں تو لمبی ہوں لیکن پرندے کی گردن چھوٹی ہو)۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر ٹانگیں لمبی اور گردن چھوٹی ہو تو پرندے کو زمین یا پانی سے اپنی غذا حاصل کرنا مشکل ہو جائے گا۔ غذا حاصل کرنے کے لئے اسے اپنے پورے جسم کو پانی میں لے جانا پڑے گا۔ لمبی ٹانگوں کے ساتھ لمبی گردن کا فائدہ یہ ہے کہ پرندہ زمین سے اپنی غذا آسانی کے ساتھ اٹھا سکے۔

اچھا! کبھی ایسا بھی دیکھو گے کہ لمبی ٹانگوں والے پرندے کی گردن تو لمبی نہیں ہوتی لیکن گردن کی جگہ اس کی لمبی سے چونچ ہوتی ہے تاکہ اسے غذا حاصل کرنے میں سہولت رہے۔

تو مفضل! تم مخلوقات میں سے جس چیز (انسان، حیوانات، نباتات، جمادات) پر بھی غور وفکر کرو گے تو اسے نہایت، درست اور (اس کی خلقت کی مناسبت سے) اللہ تعالیٰ جل شانہ کی حکمتوں سے بھرپور پاؤ گے۔

(یعنی جیسی کوئی مخلوق ہے تو اسے اس کے کردار کی مناسبتوں

سے تمام اعضاء اور صلاحیتوں سے لیس کیا گیا ہے۔ تو کیا عقل کو ششدر کر دینے والے یہ سارے کام ایک بے عقل مادّہ سرانجام دے سکتا تھا؟)

پرندوں کے رزق کی فراہمی

امام علیہ السلام نے فرمایا:

"مفضل! ذرا غور کرو کہ پرندے غذا کس طرح حاصل کرتے ہیں۔ ان جڑی بوٹیوں، اناجوں اور دوسری طرح کی غذاؤں کو دیکھو جنہیں یہ پرندے سورج نکلتے ہی تلاش کرنے نکل پڑتے ہیں۔

(بات دراصل یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے ان کی رزق کی فراہمی کو تلاش و کوشش سے مربوط کر رکھا ہے۔ نہ تو ایسے ہوتا ہے کہ پرندوں کو ان کی غذا مل ہی نہ سکے، کہیں دستیاب ہی نہ ہو اور نہ ایسا ہے کہ یہ غذا انہیں روزانہ کسی جگہ رکھی ہوئی مل جائے۔

اس کے برعکس یہ غذا انہیں تلاش کرنا پڑتی ہے، اس کے لیے انھیں چلنا پھرنا اور ادھر سے ادھر اُڑنا پڑتا۔ ہے اور اس کے نتیجے میں انھیں ان کی غذا حاصل ہو جاتی ہے۔ تم غور کرو گے تو تمہیں معلوم ہو گا کہ دوسری مخلوقات (مثلاً انسان اور چوپایوں وغیرہ) میں بھی اسی طرح ہوتا ہے۔

سبحان اللہ! بے شک وہی تسبیح و تقدیس کے قابل ہے جس نے ہر مخلوق کی روزی معین کی اور انہیں روزی کو حاصل کرنے کی

قوت عطا کی اور ان مختلف مخلوقات کی طرح طرح کی غذاؤں کی دستیابی کو یقینی بنایا اور ایسا نہیں کیا کہ اس کی مخلوق اپنے رزق و روزی (ضروریات زندگی) کو حاصل کرنے کے قابل ہی نہ ہو۔

(یعنی غذا تو موجود ہو لیکن انسان، حیوان، پرندے اسے کھانے کے قابل نہ ہوں۔ اس کی مثال اس طرح ہے کہ اگر انسان کے جسم میں چند معدنیات کم ہو جائیں تو اس کے لئے چکن روسٹ کا مزہ ربڑ کی طرح ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں وہ بھوک لگنے اور غذا موجود ہونے کے باوجود کچھ نہیں کھا سکتا۔)

رزق کے لیے کوشش ضروری ہے

"مفضل! غذا کی تو ہر ذی حیات کو ضرورت ہوتی ہے

(اسی لئے جہاں اللہ نے مخلوقات کے لئے غذا کے ذریعے زندہ رہنا قرار دیا تو ساتھ ہی اسے اس قابل بھی بنایا کہ وہ غذا کو استعمال کر سکے اور اسے جزو بدن بنا سکے)۔

اس نے ہر مخلوق کے لئے اس کی ضرورت کی غذا زمین میں فراہم کر دی۔ لیکن اس طرح کہ یہ غذا حاصل کرنے کے لئے مخلوق کوشش اور جدوجہد کرے کیوں کہ اگر اس کے برعکس ہوتا تو اس سے بڑی خرابیاں پیدا ہو جاتیں۔"

اگر غذا ایک ہی جگہ مل جایا کرتی؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

"اگر غذا اکھٹی ایک ہی جگہ وافر مقدار میں مل جایا کرتی تو

پرندے (اور دوسرے حیوانات) اسی جگہ لوٹا کرتے۔ (یعنی اسی جگہ پڑے کھاتے رہتے اور رینگتے رہتے) حتیٰ کہ وہ کھا کھا کر بیمار پڑ جاتے، بدہضمی کا شکار ہو جاتے اور آخرکار مر جاتے۔" (غذا کے ہضم کرنے کے لئے ورزش ضروری ہے۔ چلنے پھرنے اور حرکت کرنے سے غذا کو ہضم کرنے میں مدد ملتی ہے)

انسانوں میں بھی ایسا ہی معاملہ ہے

"انسانوں میں بھی اسی طرح کا معاملہ ہے۔ اگر انہیں ان کا رزق اور ضروریات زندگی ایک ہی جگہ پر وافر مقدار میں ملا کرتیں اور انہیں بے فکری و اطمینان حاصل ہوتا تو وہ فحش کاموں اور تکبر و غرور میں مبتلا ہو جاتے اور ایک ہی جگہ پڑے رہنے اور زیادہ کھانے کی وجہ ان کے جسم میں فساد پیدا ہو جاتا۔"

(یعنی فاسد اور فالتو مادّے ان کے جسم میں جمع ہو جاتے اور بیماریوں یا موت کا سبب بنتے۔)

"اسی لئے غذا (رزق) کی فراہمی کا نظام ایسا بنایا گیا کہ ضرورت کی غذائی اشیاء متفرق مقامات سے حاصل ہوں تاکہ ان کی تلاش میں جانداروں کی ورزش بھی ہوتی رہے اور حرکت کے نتیجے میں ان کی غذا ہضم بھی ہو جائے اور (انسانوں میں) رزق و روزی کی فکر انہیں تکبر کرنے سے بچائے رکھے۔" (ان سب باتوں میں مخلوقات کا اپنا ہی فائدہ ہے)

رات میں غذا تلاش کرنے والے

"مفضل! کیا تمہیں معلوم ہے کہ رات میں غذا کے لئے نکلنے والے پرندوں مثلاً اُلو اور چمگادڑوں وغیرہ کی غذا کیا ہے؟"

مفضل ابن عمرؒ نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا تو امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"ان پرندوں کی غذا وہ انواع واقسام کے کیڑے مکوڑے ہیں جو فضا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ مثلاً مچھر، پتنگے، ٹڈیاں اور مکڑیاں وغیرہ۔ بلکہ ان سے بھی چھوٹے جانور (حشرات) فضائے آسمانی میں پھیلے رہتے ہیں۔ کوئی جگہ ان سے خالی نہیں ہوتی۔

اس بات کو اس طرح سمجھو کہ جب تم رات کے اندھیرے میں اپنی چھت یا صحن میں چراغ روشن کرتے ہو تو فوراً ہی اس کے اردگرد پتنگے وغیرہ منڈلانے لگتے ہیں۔ تو یہ سب کہیں دور سے لمبا سفر طے کر کے آتے ہیں؟

اگر دور سے آتے تو بھلا انہیں اتنی دور سے چراغ کیسے نظر آ گیا؟ جب کہ مکان جہاں ایک چراغ روشن کیا گیا، وہ بہت سے دوسرے مکانوں کے درمیان ہے تو دور جنگل یا میدان میں موجود پتنگوں کو اس کی خبر کیسے ہو گئی؟

ایسا نہیں ہے کہ یہ پتنگے، ٹڈے اور دوسرے کیڑے مکوڑے کہیں دور سے آتے ہوں۔ یہ سب فضا میں ہر طرف پھیلے ہوتے ہیں اور چراغ روشن ہوتے ہی قریب ہی سے چراغ پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ کیڑے مکوڑے فضا میں ہر جگہ اڑتے رہتے ہیں اور رات کے وقت غذا کی تلاش کے لئے نکلنے والے پرندے انہیں اپنی غذا بناتے ہیں۔ یہ ہے وہ نظام جو اللہ تعالیٰ نے رات کی تاریکی میں نکلنے والے پرندوں کو غذا کی فراہمی کے لئے مقرر کیا ہے۔"

نوٹ: رات میں شکار کرنے والے

اُلّو نامی پرندہ کیڑے مکوڑے مثلاً ٹڈے وغیرہ بھی کھاتا ہے اور فصلوں کو نقصان پہنچانے والے چوہوں کو بھی اپنی غذا بناتا ہے۔ چمگادڑ کی بہت سی اقسام ہیں جو فضائے آسمانی میں موجود کیڑے مکوڑے کھاتی ہیں کئی اقسام کی چمگادڑیں درختوں کے پھلوں کو اپنی غذا بناتی ہیں۔ چمگادڑ کی ایک قسم حیوانوں خصوصاً پرندوں کا خون بھی پیتی ہیں۔

باب: 13

ایک عجیب الخلقت جانور

امام علیہ السلام نے پرندوں کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا:

"مفضل! اب میں تمہاری توجہ ایک عجیب الخلقت جانور کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ یہ جانور بچے دیتا ہے، انہیں دودھ پلاتا ہے، اس کے 2 کان ہیں جو اوپر نکلے ہوئے ہیں۔ یہ چوپایوں (دودھ پلانے والے جانوروں) کی طرح پیشاب اور فضلہ خارج کرتا ہے (واضح رہے کہ پرندے پیشاب نہیں کرتے) یہ ہوا میں پرواز کرتا ہے اور جب زمین پر چلنا چاہتا ہے تو چار پیروں کی مدد سے زمین پر چلتا ہے۔ اس کے منہ میں دانت پائے جاتے ہیں۔

اس جانور میں پرندوں اور چوپائیوں کی خصوصیات یکجا کردی گئی ہیں۔ میری مراد چمگادڑ سے ہے جو پرندوں کی مانند اڑتا ہے لیکن اس کا جسمانی نظام چوپائیوں سے زیادہ قریب ہے۔ چمگادڑ بھی ان جانوروں میں شامل ہے جو رات کے وقت غذا کی تلاش میں نکلتے ہیں اور اپنی غذا فضائے آسمانی میں تلاش کرتے ہیں۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ چمگادڑ کچھ نہیں کھاتا۔ اس کی غذا

صرف ٹھنڈی ہوا ہے۔ یہ بالکل غلط ہے اگر وہ کچھ نہیں کھاتا تو اس کے جسم سے پیشاب اور فضلہ کس طرح خارج ہوسکتا ہے۔ چمگادڑ پیشاب بھی کرتا ہے اور فضلہ بھی خارج کرتا ہے تو ایسا ہونا ثابت کرتا ہے کہ وہ پانی پیتا ہے اور غذا استعمال کرتا ہے۔ پھر اس کے منہ میں دانت موجود ہیں جو بتاتے ہیں کہ یہ غذا کھاتا ہے ورنہ دانت بیکار ہوتے اور اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی چیز خلق نہیں فرمائی جو بیکار اور بے فائدہ ہو۔"

ماحول میں چمگادڑ کے فائدے

امام علیہ السلام نے فرمایا:

"اس جانور یعنی چمگادڑ کے وجود کے فائدے بہت ہیں"

(مثلاً اگر یہ فضا میں اڑنے والے پتنگوں، مچھروں اور دوسرے طرح طرح کے کیڑے مکوڑوں کو نہ کھائے تو ان حشرات کی تعداد ماحول کے توازن کو بگاڑ سکتی ہے)

"اس کی بیٹ بعض عملی چیزوں میں شامل کی جاتی ہے (عملی چیزوں سے مراد غالباً بعض ادویات ہوں) لیکن اس کی خلقت کی بڑی غرض و غایت تو اس کی عجیب و غریب ساخت اور اس کا اپنی ضروریات اور فائدے کے لئے (رات کی تاریکی میں) ادھر سے ادھر پرواز کرنا ہے۔ اس کی یہ صلاحیتیں خالق کائنات کی قدرت و طاقت کو ظاہر کرتی ہے۔"

نوٹ: چمگاڈر کی حیران کن صلاحیتیں

چمگاڈر کی نظر کمزور ہوتی ہے۔ یہ صرف رات کے وقت ہی اپنی غذا کی تلاش میں نکلتی ہے اور فضا میں پھیلے ہوئے کیڑے مکوڑوں کو اپنی غذا بناتی ہے۔ یہ بڑے بڑے جھنڈوں کی شکل میں غاروں میں رہتی ہیں۔ ان کی بہت سی اقسام دنیا میں موجود ہیں۔ افریقہ اور جنوبی امریکا میں، پھلوں اور چھوٹے جانوروں کا شکار کرنے والی چمگاڈریں بھی پائی جاتی ہیں۔

ریڈار ٹیکنالوجی

چمگاڈروں میں چوپائے اور پرندے جیسے اعضاء اور صلاحیتوں کے علاوہ جو سب سے حیران کن صلاحیت پائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ اپنے شکار کو آنکھوں کے ذریعے نہیں بلکہ آواز کی لہروں کے ذریعے دیکھتی ہیں۔

آواز کے ذریعے دیکھنے کے بارے میں آج سے ہزار سال پہلے تو کیا اگر آج بھی ایک عام آدمی سے بات کہی جائے تو یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آئے گی۔ غالباً اسی لئے امام علیہ السلام نے چمگاڈر کی اس خصوصیت وصلاحیت کو واضح الفاظ میں بیان نہیں فرمایا۔ آپ علیہ السلام نے اپنی گفتگو کے آخر میں یہ فرمایا کہ اس کی خلقت کی بڑی غرض وغایت تو اس کی عجیب وغریب ساخت اور اس کی صلاحیتیں ہیں اور یہ چیز خالق کائنات کی قدرت وطاقت کو ظاہر کرتی ہے (کہ وہ جیسی چاہتا ہے ویسی مخلوق خلق کرسکتا ہے)

نوٹ: چمگاڈر کس طرح دیکھتی ہے

اس حوالے سے ہم گزشتہ صفحات پر بھی وضاحت پیش کر چکے ہیں لیکن یہاں انھیں دوبارہ دہرارہے ہیں۔ چمگاڈر آواز کی لہروں کی مدد سے رات کے اندھیرے میں دیکھنے کے لئے اپنی ناک یا منہ سے الٹرا ساؤنڈ آوازیں خارج کرتی ہیں۔ آواز کی یہ لہریں انسان کی حد سماعت سے بالاتر ہوتی ہیں۔ آواز کی یہ لہریں رات کی تاریکی میں فضائے آسمانی میں ہر طرف پھیل جاتی ہیں

اورزمین اور فضا میں موجود ہر چیز سے ٹکرا کر واپس چمگادڑ کے دماغ میں موجود ایک غدود (Gland) تک آتی ہیں اوران کی مدد سے چمگاڈر کے دماغ میں اردگرد کے سارے ماحول کی ایک مکمل تصویربن جاتی ہے۔

آواز کی یہ لہریں چمگاڈر کو بتاتی ہیں کہ اس کا شکار کہاں اور کتنے فاصلے پر موجود ہے۔اس کی سمت کیا ہے،اس کا سائز کتنا ہےاوروہ کس رفتار سے فضا میں پرواز کررہا ہے۔ان معلومات کی بنیاد پر چمگاڈر بالکل درست سمت میں حملہ کرتا ہےاورشکار کو پکڑلیتا ہے۔

جنگلوں اور شہروں میں پرواز کی صورت میں چمگاڈراور شکار کی درمیان ،بجلی کے پول ، تاریں ،عمارتیں اوردیواریں ،درختوں کی شاخیں اور تنے حائل ہوتے ہیں لیکن چمگاڈر کے دماغ میں پورے ماحول کی ایک مکمل ''صوتی تصویر'' موجود ہوتی ہے اس لئے چمگاڈر کسی بھی رکاوٹ سے ٹکرائے بغیر براہ راست اپنے ہدف تک پہنچ جاتی ہے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ چمگاڈرالٹراساؤنڈ ٹیکنالوجی کولاکھوں سال پہلے سے استعمال کررہی ہے جب کہ انسان نے اس ٹیکنالوجی کو ابھی کم وبیش سوسال پہلے دریافت کیا اوراسے استعمال کرنا شروع کیا ہے۔بحری جہازوں میں اس کا استعمال زیرآب موجود سب میرین، پہاڑی چٹانوں اور بارودی سرنگوں کی شناخت کے لیے ہوتا ہے۔اسپتالوں میں الٹراساونڈ ٹیسٹ کا استعمال بھی اس کی ایک عام مثال ہے۔جس کے ذریعے جسم کے اندرونی اعضاء کی تصویر لی جاتی ہے۔

چمگاڈراور پتنگے

پتنگے چمگاڈر کا شکار ہوتے ہیں لیکن قدرت نے جہاں چمگاڈر کو شکار کی صلاحیت عطا کی ہے تو ننھے پتنگوں کو اپنے دفاع کی صلاحیت سے بھی نوازا ہے۔ بہت سے پتنگوں کے اندر یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ چمگاڈر کے الٹراساونڈ نظام کو جام کرسکیں۔

یہ پتنگے چمگاڈر کے الٹراساونڈ کوسن کراپنے اندر سے ایسی الٹراساونڈ نکالتے ہیں جن کی وجہ سے چمگاڈر کے دماغ میں بننے والی صوتی تصویرمسخ ہوجاتی ہے جس کے نتیجے میں چمگاڈراپنے ہدف

کے بجائے کسی اور طرف چلا جاتا ہے یا کسی اور چیز سے ٹکرا جاتا ہے۔اسی طرح آسمانی فضا میں ہونے والی ٹیکنالوجی کی جنگ میں کبھی چمگاڈر جیت جاتا ہے اور کبھی پتنگے اسے چکمہ دینے میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔

ہم اپنے قارئین کوامام علیہ السلام کی وہ گفتگو یاد دلانا چاہیں گے جس میں آپ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ پرندوں کوغذا کی فراہمی کے نظام میں ایسا بھی نہیں ہوتا کہ غذا دستیاب ہی نہ ہواور نہ ایسا ہے کہ انہیں غذا بغیر کوشش کے مل جائے۔وہ غذا تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو غذا انہیں مل جاتی ہے۔یہ معاملہ چمگادڑ ہی نہیں تمام جانوروں کے ساتھ ہوتا ہے۔

مثلاً جنگلوں میں چیتے اور شیر جیسے طاقتور جانور بھی بڑی جدوجہد کے بعد غذا حاصل کرتے ہیں۔وہ اگر سو مرتبہ شکار پکڑنے کی کوشش کرتے ہیں تو ان کی کامیابی کا تناسب 30% فی صد ہوتا ہے۔ (حوالہ: The Natural World)

بئے کا گھونسلا

پرندوں کی خلقت اوران کی صلاحیتوں پر گفتگو کرتے ہوئے امامؑ نے فرمایا:

"مفضل! تم نے اس پرندے کو دیکھا ہے جو درختوں پر اپنا گھونسلا بناتا ہے۔میری مراد ابن تمرہ نامی پرندے سے ہے (ابن تمرہ نامی پرندے کو اردو میں غالباً بیا کہا جاتا ہے) یہ پرندہ جب کسی سانپ کو اپنے گھونسلے کے قریب آتے ہوئے دیکھتا ہے تو بے چین ہوجاتا ہے۔سانپ کو بھگانے کی کوشش کرتا ہے اور جب سانپ وہاں سے نہیں ہٹتا تو جلدی سے اُڑ کر جاتا ہے اور ایک خاص قسم کی گھاس "حسکہ" اٹھالاتا ہے اوراسے سانپ کے

منہ کے اوپر ڈال دیتا ہے اس کی وجہ سے سانپ لوٹنے لگتا ہے
اور آخر کار اس کی تکلیف سے مر جاتا ہے۔

"اب دیکھو! اگر یہ بات میں تم سے بیان نہ کرتا تو کیا
تمہارے یا کسی اور کے وہم وگمان میں بھی یہ بات آسکتی تھی کہ
حسکہ نامی گھاس میں یہ منفعت بھی ہو سکتی ہے اور بٔے جیسا ننھا سا
پرندہ حسکہ نامی گھاس میں موجود اس خصوصیت کو جان سکتا ہے اور
اس سے اپنے دفاع کے لئے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔"

(سوچنا چاہیے کہ گھاس میں یہ خصوصیت کس نے پیدا کی اور کس نے ایک پرندے کو اس کے بارے میں بتایا اور یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ حسکہ نامی گھاس سانپ جیسے زہریلے اور بڑے جانور کے لئے تو مہلک اور جان لیوا ہے لیکن ایک ننھے سے پرندے کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتی!)

شہد کی مکھی، انجینئرنگ کی ماہر

امام علیہ السلام نے فرمایا:

"مفضل! شہد کی مکھی اور اس کے گھر بنانے کی اجتماعی
کوششوں (یعنی ٹیم ورک) سے چھ پہلوؤں والے خانے اور شہد
تیار کرنے پر غور کرو۔ جب تم ان کے کام پر غور کرو گے تو حیران
رہ جاؤ گے اور جب ان کی بنائی ہوئی چیز (پروڈکٹ) کو دیکھو
گے تو اسے نہایت قابلِ عظمت پاؤ گے۔ تم دیکھو کہ شہد کس قدر
خوش ذائقہ اور صحت بخشنے والی چیز ہے۔

اس کے ساتھ ہی تم اس شہد کو تیار کرنے والی شہد کی چھوٹی
سی مکھی کو دیکھو کہ یہ کس قدر محنت (کے ساتھ پھولوں سے زردانہ
لا لا کر اس) سے اپنا چھتا بناتی ہے اور پھر انھی پھولوں سے عرق لا
کر شہد تیار کرتی ہے۔ تم دیکھو گے کہ یہ سارے بڑے بڑے کام
کرنے پر تو وہ قادر ہے لیکن اپنی ضروریات کے اِن کاموں کے
علاوہ دوسرے تمام کاموں میں وہ بالکل ناسمجھ ہے۔ اسے تو یہ بھی
معلوم نہیں کہ وہ یہ کام کیوں کر رہی ہے؟"

(شہد کی مکھی کو نہیں معلوم کہ اس کے اردگرد کیا ہو رہا ہے۔ پیڑ کس طرح اگتے ہیں، پھول کس طرح کھلتے ہیں۔ ان پھولوں میں رنگ و رس کہاں سے آتا ہے۔ اسے یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ شہد میں کون سے اجزا ہیں اور یہ کس کو کیا فائدہ پہنچائیں گے۔ اسے تو صرف شہد تیار کرنے سے مطلب ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس کی ذمہ داری قرار دیا ہے۔ اگر انسان کو شہد میں موجود اجزاء الگ الگ مل جائیں تب بھی یہ سارے کیمیائی کام کوئی کیمسٹ ہی کر سکتا ہے جب کہ قدرت کے کارخانے میں یہ کام شہد کی ایک ننھی سی مکھی سرانجام دیتی ہے اور اس کے لیے اسے نہ کسی تعلیم کی ضرورت نہ کسی ٹریننگ کی حاجت۔)

امام علیہ السلام نے فرمایا:

"اس میں اس بات کی صاف اور واضح دلیل موجود ہے کہ
اس کی یہ اعلیٰ ترین صلاحتیں، ہر مرحلے میں احتیاط اور ہر کام میں
درستگی و مہارت خود اس مکھی نے اپنے اندر پیدا نہیں کی ہے بلکہ یہ
اس ذات کی حکمت ہے جس نے شہد کی مکھی کو پیدا کیا اور ان

فطری صلاحیتوں کے ساتھ پیدا کیا۔ اسی ذات نے انسانوں
کے فائدے کے لئے شہد کی مکھی کو اس کام (یعنی شہد تیار کرنے) پر
مجبور کیا۔ اس شہد سے انسان فائدہ اٹھاتے ہیں اور اسے اپنی غذا
اور دوا میں استعمال کرتے ہیں"۔

نوٹ: (شہد کی مکھی کے طرزِ زندگی، ان کی خدمات، ان کے ٹیم ورک اور ان کے کیمونی
کیشن سسٹم کے بارے میں تفصیل جاننا چاہیں تو ہماری کتاب "قرآن اہل بیتؑ اور سائنس"
ملاحظہ فرمائیں۔)

باب: 14

ٹڈیوں کی طاقت

امام جعفر صادق علیہ السلام نے شہد کی مکھیوں، ان کے کام اور کام کرنے کے لئے ان کی اجتماعی کوششوں کے بارے میں جو حیران کن انکشافات فرمائے انہیں آپ نے گزشتہ باب میں پڑھنے کا شرف حاصل کیا۔ شہد کی مکھیوں کے بعد امام علیہ السلام نے مفصل ابن عمرؓ کو ٹڈیوں کی خلقت، ان کی ساخت اور ماحول میں ان کے کردار کی جانب متوجہ کیا۔

امام جعفر صادقؑ نے اثبات وجود خدا کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا:

"مفصل! ذرا اس ٹڈی کو دیکھو۔ بہ ظاہر یہ ایک ننھی سی مخلوق ہے۔ (بہ مشکل ایک انگلی کے برابر) لیکن یہ جس قدر کمزور نظر آتی ہے بہ باطن یہ اتنی ہی طاقتور بھی ہے۔ یہ ہے تو ذرا سی لیکن اگر اس کا جھنڈ کسی علاقے پر حملہ آور ہو جائے تو اس کی طاقت کا نظارہ کیا جا سکتا ہے۔"

نوٹ: ٹڈی دل کس طرح بنتا ہے

ٹڈیاں انڈے سے نکلنے کے بعد پانچ مراحل سے گزر کر ٹڈیوں میں تبدیل ہوتی ہیں۔ ٹڈی کا بچہ اڑ نہیں سکتا لیکن غذا کی تلاش میں روزانہ ایک ہزار فٹ تک چل سکتا ہے۔ مکمل ٹڈی میں تبدیل ہونے کے بعد ان ٹڈیوں کے بڑے بڑے جھنڈ بن جاتے ہیں اور فصلوں کو شدید نقصان پہنچاتے ہیں۔ یہ ٹڈیاں بڑے بڑے جھنڈوں کی شکل میں ہوا کے کم دباؤ والے علاقوں کی طرف سفر کرتی ہیں۔ اس لیے کہ ان علاقوں میں بارش اور بارش کے نتیجے میں ہریالی کا امکان زیادہ ہوتا ہے لیکن

زیادہ تر صورتوں میں بارش لانے والی تیز ہوائیں ان ٹڈیوں کو سمندر کی طرف اڑا لے جاتی ہیں اور ٹڈیوں کے جھنڈ سمندر میں گر کر ختم ہو جاتے ہیں۔ حوالہ: (The way nature works)

امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

''ٹڈیوں کی طاقت کا اندازہ اس طرح بھی کیا جاسکتا ہے کہ اگر زمین کے بادشاہوں میں سے کوئی بادشاہ اپنے سارے لشکر کو بھی ٹڈیوں سے فصلوں کو بچانے کے لئے استعمال کرے تب بھی وہ اس کام پر قادر نہیں ہوگا۔''

نوٹ: ٹڈیوں کا حملہ

ماہرین حیاتیات کے مطابق ٹڈیوں کے ایک جھنڈ میں ٹڈیوں کی تعداد پانچ لاکھ تک ہو سکتی ہے۔ یہ جھنڈ جب کسی علاقے پر حملہ کرتا ہے تو وہاں موجود فصلوں اور باغات کو چند منٹوں میں کھا کر ختم کر سکتا ہے۔

آج کے جدید سائنسی دور میں بھی جن ملکوں میں ٹڈی دل حملہ کرتے ہیں وہاں کی حکومتیں ان کی تباہ کاریوں سے خود کو محفوظ رکھنے میں ناکام رہتی ہیں۔ ان ٹڈیوں کے حملوں سے اس مخصوص علاقے میں گھاس بات، فصلوں، سبزیوں، پھول، پھل اور پتوں کا نام و نشان مٹ جاتا ہے اور اس کے نتیجے میں قحط پڑ جاتا ہے۔ اگر تیز ہوائیں ٹڈیوں کے ان جھنڈوں کو اڑا کر سمندر کی طرف نہ لے جائیں تو ان کی پھیلائی ہوئی تباہی ہزاروں گنا بڑھ سکتی ہیں۔

ان میں اللہ کی نشانیاں ہیں

امام علیہ السلام نے فرمایا:

''مفضل! انسان کو غور کرنا چاہیئے کہ یہ اللہ کی طاقت و

قدرت ہے کہ وہ چاہے تو اپنی ایک کمزور سی مخلوق کو طاقت ور ترین مخلوق پر بھیج دے تو طاقتور ترین مخلوق اس کمزور سی مخلوق کے آگے بے بس ہو جائے۔ اس میں قدرت خدا کی بڑی نشانیاں ہیں۔

تم ٹڈیوں کے جھنڈوں کو دیکھو کہ جب یہ ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے لیے پرواز کرتے ہیں تو ایک بادل کی طرح ہوتے ہیں۔ یہ ٹڈیاں پہاڑوں میدانوں، صحراؤں اور آبادیوں کو ہر طرف سے گھیر لیتی ہیں۔ ان کی کثرت اس قدر ہوتی ہے کہ ان کی وجہ سے سورج کی روشنی بھی ماند پڑ جاتی ہے۔

انسان کو غور کرنا چاہیے کہ ٹڈی دل کے ذریعے اللہ نے اپنی قدرت کا ثبوت دیا ہے۔ ایسی قدرت کہ کوئی شئے اسے عاجز نہیں کر سکتی۔

یہ بھی دیکھو کہ اگر کوئی شخص ان ٹڈیوں کو ہاتھ سے بناتا تو لاکھوں ٹڈیاں بنانے میں اسے کتنا عرصہ درکار ہوتا اور کیا کوئی شخص اس طرح کی ایک ٹڈی بھی بنا سکتا ہے؟

(اس بات سے سمجھا جا سکتا ہے کہ ٹڈی اتفاقاً پیدا نہیں ہوگئی بلکہ اسے اللہ نے پیدا کیا ہے اور خاص مقاصد کے لئے پیدا کیا ہے اور یہ ہر وقت اسی کے تابع فرمان ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی ان ٹڈیوں کو پیدا کرتا ہے اور خاص وقت کے بعد اپنی مصلحت و مشیت اور بندوں کے فائدے کے لئے انہیں فنا بھی کر دیتا ہے۔)

نوٹ: ٹڈیوں کی زندگی اوران کی ساخت

ٹڈیاں، ریت یا بھری مٹی میں انڈے دیتی ہیں۔ دس دن کے بعد اس انڈے سے ایک بچہ نکلتا ہے۔ ان بچوں کے سر بڑے ہوتے ہیں۔ اس مرحلے میں ان کے پَر نہیں ہوتے۔ ان کے جسم چھوٹے ہوتے ہیں لیکن ٹڈی ہی کی طرح نظر آتے ہیں۔ اس کے بعد اپنی خلقت کے اگلے چار مرحلوں میں یہ اپنی جلد کی اوپری کھال کو گراتے رہتے ہیں (جیسے سانپ کینچلی بدلتا ہے) زندگی کے پانچویں مرحلے میں ان کے پَر نکل چکے ہوتے ہیں۔ پانچویں مرتبہ کھال گرنے کے بعد ان کے جسم کا بیرونی خول یعنی ڈھانچا سخت ہو جاتا ہے اور یہ مکمل ٹڈی میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

ٹڈیوں کا دماغ، اعصابی نظام، نظامِ ہضم اور دوران خون کا نظام ایک سخت خول میں بند رہتے ہیں۔ سانس لینے کے لئے اس خول میں سوراخ ہوتے ہیں جن کے ذریعے آکسیجن ان کے جسم میں جاتی ہے۔

ٹڈی کا شمار حشرات (Insects) میں ہوتا ہے اور دوسرے حشرات مثلاً شہد کی مکھی، یا تتلی کی طرح اس کا جسم بھی تین حصوں میں تقسیم ہوتا ہے۔ اس کے اعضاء ایک سخت خول میں بند ہوتے ہیں۔ اس خول میں تین حصے ہوتے ہیں جو ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس سخت خول میں سے اس کا منہ، آنکھیں، انٹینا، ٹڈی کے چار ٹانگیں اور چار پَر باہر نکلے ہوتے ہیں۔

اس کی پچھلی ٹانگیں خاردار ہوتی ہیں جن کی مدد سے یہ پتیوں کو مضبوطی سے پکڑ سکتی ہیں۔ یہ ٹانگیں دو حصوں پر مشتمل ہوتی ہیں۔ ٹانگ کا نچلا حصہ ٹڈی کو چھلانگ لگانے یا اڑنے کے لئے فضا میں بلند ہونے میں مدد کرتا ہے۔ ٹڈی کا منہ بھی اس طرح سے بنایا گیا ہے کہ وہ پتوں کو تیزی سے کاٹ سکے۔

ٹڈیوں کی بعض اقسام کے کان ان کی ٹانگوں پر ہوتے ہیں۔ ٹڈیوں کی آنکھیں بڑی ہوتی ہیں لیکن حشرات الارض اپنی زندگی کے زیادہ تر کام سونگھنے اور چکھنے کے ذریعے سر انجام دیتے ہیں ان کے سروں پر لگے ہوئے انٹینا نہ صرف انہیں سونگھنے کی صلاحیت فراہم کرتے ہیں بلکہ ان کے

ذریعے حشرات ایک دوسرے سے رابطے میں بھی رہتے ہیں۔

بے روح مادّے تو کیا، دنیا کے کسی عظیم سائنس دان اور سائنسی لیب کے لیئے بھی ممکن نہیں کہ اس قدر پُر پیچ اور حیران کن اعضاء اور ہر مخلوق میں اس کی ضروریات کے مطابق اعضاء کے ساتھ کسی ذی حیات مخلوق کو پیدا کر سکے۔

مچھلی کی خلقت اور فائدے

امام علیہ السلام نے مفضلؒ سے فرمایا:

"مفضل! ذرا مچھلی کی خلقت اس کی ساخت اور ان مناسبتوں پر غور کرو جو اس کے اعضاء میں موجود ہیں مثلاً، مچھلی کو ٹانگیں نہیں دی گئیں۔ اس لیئے کہ اسے چلنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے رہنے کی جگہ پانی ہے جس میں وہ تیرتی ہے۔

مچھلی کے جسم میں پھیپھڑے نہیں پیدا کیئے گئے کیونکہ پھیپھڑوں سے سانس لینا اس کے لیئے ممکن نہ تھا۔ اگر اس کے پھیپھڑے ہوتے اور یہ سانس لیتی تو پانی اس کے جسم میں داخل ہو جایا کرتا۔ سانس لینے کے لیئے اس کے جسم میں ایک متبادل نظام اس کی ضرورت کے مطابق پیدا کیا گیا۔

پھیپھڑوں کے برعکس اس کے دہانے سے لے کر دونوں کانوں تک سوراخ (گل پھڑے) بنائے گئے۔ یہ اپنے منہ سے پانی لیتی ہے اور اس راہ (یعنی گل پھڑوں) کے راستے اس پانی کو نکالتی رہتی ہے۔ (یہی اس کے سانس لینے کا طریقہ ہے) اس طرح وہ

ایسی راحت و آسائش حاصل کرتی ہے جیسے دوسرے حیوان صبح کی ٹھنڈی ہوا سے حاصل کرتے ہیں۔

تم دیکھو کہ مچھلی کو پیروں کے بدلے انتہائی سخت پر دیئے گئے ہیں جن کی مدد سے وہ پانی کو کاٹتی ہوئی آگے بڑھتی ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے کشتی چلانے والے ملاح چپوؤں کی مدد سے پانی میں کشتی کو آگے بڑھاتے ہیں۔

مچھلی پانی میں رہتی ہے۔ پانی میں اور بھی کئی طرح کے ذی حیات ہوتے ہیں (مثلاً کم زہر والے سانپ اور کیکڑے وغیرہ) اسی لئے مچھلی کے جسم پر موٹے سخت چھلکے (کھپرے) پیدا کئے گئے جو ایک دوسرے کے اوپر تہہ بہ تہہ قائم کئے گئے ہیں۔ یہ کھپرے زرہ یا جوشن کی طرح ہیں جو مچھلی کو بہت سے خطرات سے محفوظ رکھتے ہیں۔"

مچھلی اور سونگھنے کی صلاحیت

امام علیہ السلام نے فرمایا:

"مفضل! پانی میں تیرنے والی اس مخلوق کو قوت شامہ (سونگھنے کی قوت) بہت زیادہ دی گئی ہے اس لئے کہ اس کی نظر کمزور ہوتی ہے۔ (اکثر اوقات مچھلیوں کو گدلے پانی میں بھی زندہ رہنا پڑتا ہے) اسی لئے اسے سونگھنے کی اضافی صلاحیت دی گئی تاکہ پانی کا گدلا پن اگر اسے روکے تب بھی وہ اپنی غذا کی چیز کو دور

سے سونگھ کر ٹھیک اس جگہ پہنچ سکے۔"

نوٹ: بُو اور آواز کی لہریں

ڈولفن اور شارک مچھلیاں آواز کی لہروں کی مدد سے راستے اور شکار کو تلاش کرتی ہیں۔ شارک مچھلیاں سمندر میں ہزاروں میل کا سفر طے کر کے ہر سال ان مقامات پر پہنچتی ہیں جہاں آبی پرندوں کے بچے پہلی مرتبہ پرواز کرنا سیکھ رہے ہوتے ہیں۔

شارک مچھلیوں کو یہ وقت معلوم ہوتا ہے اور وہ ان آبی پرندوں کے بچوں کو اپنی غذا بنانے کے لئے ہر سال ایک خاص وقت پر سمندر میں سینکڑوں میل سفر کر کے اس مقام تک پہنچتی ہیں اور پانی میں گرنے والے پرندوں کو اپنی غذا بناتی ہیں۔ ان کے سونگھنے اور اور سننے کی حس بھی بہت زیادہ ہوتی ہے۔ یہ مچھلیاں سمندر میں کسی بھی زخمی جانور کی بُو میلوں دور سے سونگھ لیتی ہیں اور اسے کھانے کے لئے جمع ہو جاتی ہیں۔

(حوالہ: The way nature works)

مچھلیاں پانی میں ڈوبتی کیوں نہیں؟

ہر مچھلی کا اپنا ایک وزن ہوتا لیکن وہ پانی میں ڈوبتی نہیں ہیں۔ اس کی وجہ صرف ان کا تیرنا ہی نہیں ہے۔ وہ مچھلیاں جن کے جسم میں ہڈیاں ہوتی ہیں ان کے جسم کے اندر اللہ تعالیٰ نے ایک غبارے جیسا عضو پیدا کیا ہے۔ اسے تیرنے کا غبارہ (Swim Blader) کہا جاتا ہے۔

اس غبارے میں گیس بھری رہتی ہے۔ مچھلی پانی کی گہرائی کے حساب سے اس گیس کو کم بھی کر سکتی ہے اور اس کی مقدار کو بڑھا بھی سکتی ہے۔ مچھلی جب سمندر کی سطح پر ہوتی ہے تو اس پر زمین کی کشش ثقل کم اثر انداز ہوتی ہے۔ جب یہ گہرے پانی میں سمندر کی تہہ کی طرف جاتی ہے تو کشش ثقل اسے زیادہ طاقت سے نیچے کی طرف کھینچتی ہے۔ مچھلی اسی تناسب سے اپنے اندر موجود گیس کو کم یا زیادہ کرتی رہتی ہے تاکہ وہ پانی میں معلق اور متحرک رہے۔

(حوالہ: The way nature works)

لیکچر 2 147

مچھلیوں کی کثرت

امام علیہ السلام نے فرمایا:

''مچھلیاں صرف انسان ہی نہیں، بہت سارے درندوں، پرندوں اور خود بڑی مچھلیوں کی بھی خوراک ہوتی ہیں۔ درندے، (مثلاً ریچھ) آبی پرندے اور عقاب وغیرہ بھی مچھلیوں کو اپنی غذا بناتے ہیں۔ انسان بڑے پیمانے پر ان کا شکار کرتا ہے۔ انہیں غذا کے علاوہ بہت سارے دوسرے کاموں میں بھی استعمال کیا جاتا ہے اس لئے ضروری تھا کہ (سمندروں اور) دریاؤں میں مچھلیوں کی بہت زیادہ تعداد ہر وقت موجود رہے۔

اسی لیے تم دیکھو کہ ان کی نسل کتنی زیادہ ہوتی ہے۔ ایک مچھلی کے پیٹ میں تم اتنے انڈے پاؤ گے کہ ان کا شمار کرنا مشکل ہوگا۔ یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی مصلحت یہی ہے کہ یہ بڑی تعداد میں دنیا میں موجود رہیں۔ یعنی جس کثرت سے آج مچھلیاں موجود ہیں اسی کثرت کے ساتھ آیندہ بھی برقرار رہیں۔

نوٹ: مچھلیوں کی اقسام، تعداد اور ذہانت

دریاؤں، جھیلوں اور سمندروں میں مچھلی کی کم و بیش اکیس ہزار پانچ سو (21500) اقسام پائی جاتی ہیں۔ مچھلیوں کی زیادہ تر اقسام انڈے دیتی ہیں۔ ان انڈوں کی تعداد مچھلیوں کی بعض اقسام میں ہزاروں تک ہوتی ہے۔ مچھلیوں کی کچھ اقسام بچے بھی دیتی ہیں۔ اس کی ایک مثال ایکوریم میں پالی جانے والی مچھلی ماؤتھ بروڈر ہے۔ یہ مچھلی ایک وقت میں سینکڑوں کی تعداد میں

بچے دیتی ہے۔ یہ بچے بہ مشکل نظر آتے ہیں۔ اس کے باوجود انہیں خطرے اور اس سے بچنے کا شعور ہوتا ہے۔ کوئی خطرہ نہ ہو تو یہ بچے پودوں اور بجری پر جا کر چپک جاتے ہیں اور خطرہ محسوس کرتے ہی ہر جگہ سے اٹھ کر تیزی سے ماں کی طرف بڑھتے ہیں۔ ماں مچھلی منہ کھول دیتی ہے اور تمام بچے اس کے منہ میں چلے جاتے ہیں۔ خطرہ دور ہونے کے بعد مچھلی منہ کھولتی ہے اور بچے دوبارہ باہر نکل آتے ہیں۔ سمندروں اور دریاؤں میں مچھلیوں کی اقسام معلوم کی جا سکتی ہیں لیکن ان کی تعداد کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے۔ (حوالہ: How Nature Works)

مخلوقات کی رنگا رنگی

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''مفضل! اس خالق مطلق کی پیدا کردہ مخلوقات اور ان مخلوقات میں اللہ تعالیٰ کی مصلحتوں، مناسبتوں اور ان مخلوقات کی رنگا رنگی کو دیکھنا چاہو تو دریاؤں اور سمندروں میں انواع واقسام کی مچھلیوں، آبی ذی حیات، سیپ، مونگے، کیکڑوں، جھینگوں اور ان کے علاوہ ہزاروں طرح کے دوسرے جانوروں کو دیکھو جن کی اقسام وتعداد کا شمار نہیں ہو سکتا اور نہ ان تمام ذی حیات کی خلقت کے سارے فائدے معلوم کیے جا سکتے ہیں۔

سوائے ان فائدوں کے جنہیں انسان اپنے تجربات و مشاہدات سے معلوم کر لیتا ہے۔ ایسی بہت سی چیزیں ہیں جنہیں لوگ اتفاقاً دریافت کر لیتے ہیں اور زمانہ گزرنے کے ساتھ ان میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔''

نوٹ: اتفاقی دریافت

حقیقت یہ ہے کہ آج کے سائنس دان بھی یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ انہیں سب کچھ معلوم ہو گیا ہے۔ تمام تر سائنسی آلات، سائنسی ترقی اور بہترین وسائل کے باوجود بہت سی باتوں کو مختلف نام تو دے دیئے گئے ہیں لیکن یہ ہیں کیا اور کہاں سی آتی ہیں، ابھی کسی کو معلوم نہیں ہے۔ مثلاً کشش ثقل کا نظریہ۔ اس نظریے کے اثبات کے بے شمار ثبوت موجود ہیں لیکن یہ کشش ثقل ہے کیا؟ اس کے بارے میں معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں۔

بہت سی چیزیں اتفاقاً دریافت ہو جاتی ہیں اور پھر ان کے فوائد بھی سامنے آجاتے ہیں۔ اس کی ایک مثال ایکس ریز کی دریافت ہے جو محض اتفاقاً ہوئی تھی لیکن بعد میں ایکس ریز کے ذریعے جسم کے اندرونی اعضاء کی خرابیوں کا پتا چلانے اور پھر ان کے علاج میں بڑی مدد حاصل ہوئی۔



مفضل ابن عمرؓ کہتے ہیں: امام علیہ السلام کی گفتگو جاری تھی کہ زوال کا وقت قریب آگیا۔ امام علیہ السلام نے اپنی گفتگو روک دی اور نماز کے لئے اٹھتے ہوئے فرمایا:

"مفضل! انشاء اللہ تعالیٰ کل صبح میرے پاس آجانا۔ میں تمہیں زمین و آسمان کی خلقت، سورج چاند ستاروں کی حرکات، موسموں کے بدلنے اور نباتات کے زمین سے اگنے اور بادلوں اور بارشوں کے برسنے میں اللہ تعالیٰ کی حکمت و مصلحت کے بارے میں بتاؤں گا۔"

مفضل کہتے ہیں کہ میں وہاں سے واپس آیا تو میری خوشی کی انتہا نہیں تھی ان علوم کی وجہ سے جو حضرت امام صادق علیہ السلام نے مجھے تعلیم فرمائے تھے۔ آپ علیہ السلام کے اس عطیے پر میں نہایت مسرور تھا اور اللہ تعالیٰ کے اس انعام پر شکر کرتا تھا۔ وہ شب میں نے بہت ہی خوشی کی حالت میں گزاری۔

الحمد للہ کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے دوسرے لیکچر کو عام فہم زبان اور جدید سائنسی معلومات کے ساتھ قارئین تک پہنچانے کی یہ خدمت آج ۱۳ اکتوبر ۲۰۱۰ء کو رات گیارہ بجے اختتام کو پہنچی۔

امام علیہ السلام کا تیسرا لیکچر آپ توحید مفضل کی تیسری جلد میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ اس لیکچر میں امام علیہ السلام نے فزکس، فلکیات، آسٹرونومی، جیوگرافی، بوٹنی، علم موسمیات، علم الاشجار اور دوسرے کئی علوم کے حوالے سے بات کی ہے۔ واضح رہے کہ ان موضوعات کے بارے میں امام صادق علیہ السلام کے زمانے سے صدیوں پہلے اور صدیوں بعد تک اس کرہ ارض پر کسی انسان کو حتمی طور پر کچھ معلوم نہیں تھا۔

2/152